عالمی اقبال سیمینار

۱۹۸۶

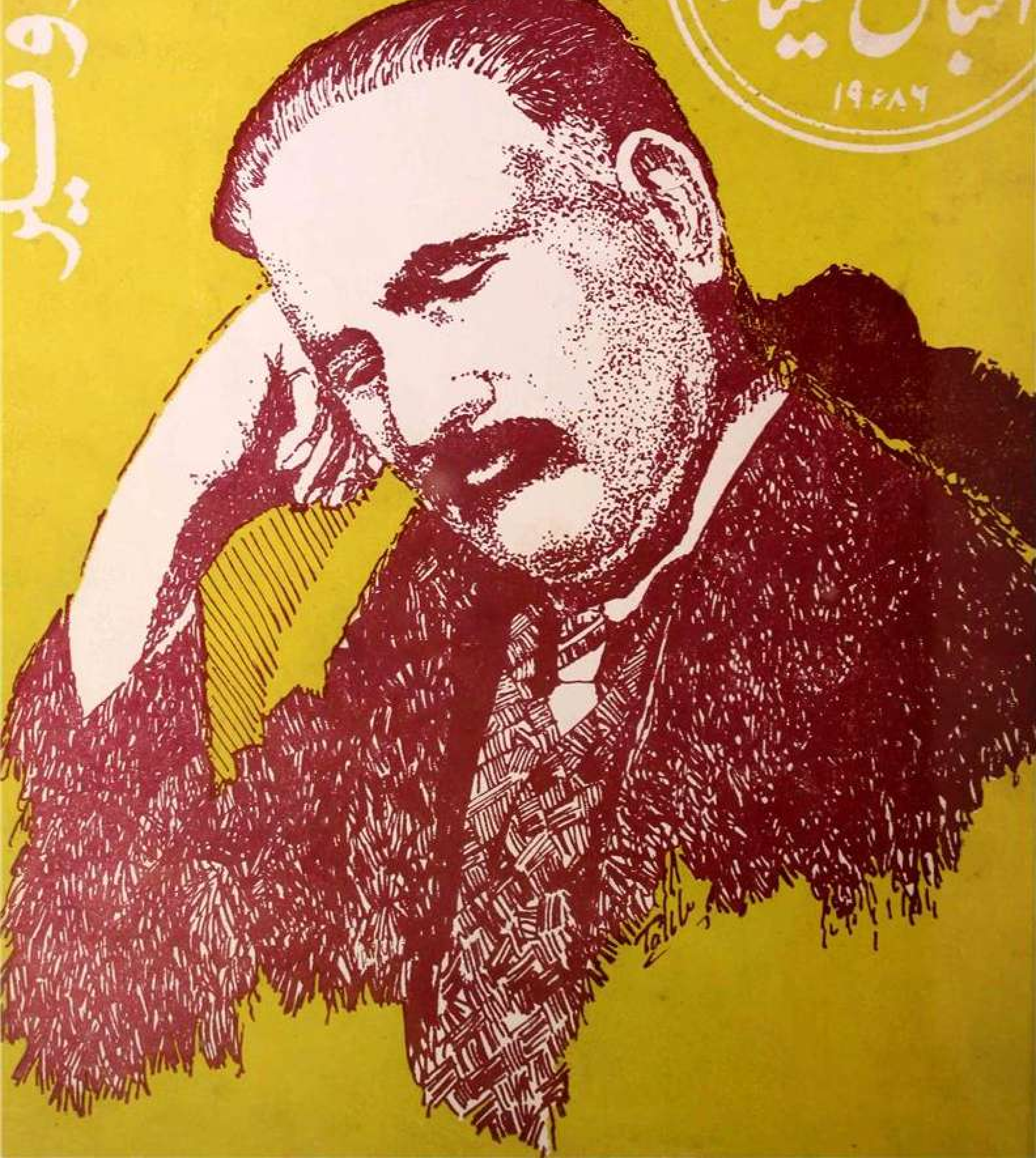

سوونیر

عالمی اقبال سیمینار

۱۸ر اپریل تا ۲۱ر اپریل ۱۹۸۶ء

مجلس مشاورت

ڈاکٹر انور معظم

ڈاکٹر مغنی تبسم

محمد ظہیر الدین احمد

یوسف اعظمی

مجلس ادارت

خواجہ ناصر الدین

سید تمیم

خواجہ فرید

جابر بن مبارک

عامر اللہ خاں

ایڈیٹر

وجیہہ الدین احمد

ooo

زیر اہتمام

اقبال اکیڈیمی حیدرآباد

اقبال اکیڈیمی، مدینہ منشن، نارائن گوڑہ، حیدرآباد - 500029، (انڈیا)

فون - 45230

عالمی اقبال سمینار

منعقدہ اپریل سنہ ۱۹۸۶ء

عہدہ داران مجلس استقبالیہ

صدر :۔ عابد علی خاں

نائب صدر :۔ شاہ عالم خاں

اقبال علاء الدین

رحیم قریشی

شاہد حسین

معتمد :۔ کریم رضا

شریک معتمد :۔ خواجہ ناصر الدین

مظہر لطیفی

کوارڈنیٹرس

محمد ظہیر الدین احمد

یوسف اعظمی

کنوینرز

نمائش اقبالیات : طالب خوندمیری

ایم ۔ اے رحیم

شب اقبال :۔ ڈاکٹر رشید موسوی

سمینار :۔ ڈاکٹر انور معظم

ڈاکٹر مغنی تبسم

محمد ظہیر الدین احمد

ڈاکٹر عبد القادر عمادی

یوسف اعظمی

علی ظہیر

معتمدین مقابلہ جات

تقریری مقابلہ :۔ محمد نصیر الدین عقیل

تحریری مقابلہ :۔ سید منصور شاہ

کوئز :۔ رحمت یوسف زئی

پروگرام

۱۸ر اپریل ۸۶ء جمعہ

- افتتاحی تقریب ۷ بجے شام
- افتتاح نمائش اقبالیات ۶ بجے شب

فائن آرٹس اکیڈیمی کے فن کار اقبال کا قومی ترانہ اور ترانۂ اقبال پیش کریں گے۔

۱۹ر اپریل ۸۶ء شنبہ

- سیمینار پہلی نشست ½۹ بجے صبح
- سیمینار دوسری نشست ۳ بجے سہ پہر
- مشاعرہ ½۸ بجے شب

۲۰ر اپریل یکشنبہ

- سیمینار، تیسری نشست ½۹ بجے صبح
- سیمینار، چوتھی نشست ۳ بجے سہ پہر
- شب اقبال، ½۸ بجے شب

۲۱ر اپریل دوشنبہ

- سیمینار، پانچویں نشست ½۹ بجے صبح
- سیمینار، چھٹی نشست ۳ بجے سہ پہر
- اختتامی اجلاس ۸ بجے شب

مہمانان خصوصی

- جناب پی شیو شنکر
- جناب سید مظفر حسین برنی
- جناب ارجن سنگھ
- جناب این ٹی۔ راما راؤ
- جناب موتی لال وہرا
- جناب آئی کے گجرال
- ڈاکٹر بی۔ گوپال ریڈی
- جسٹس سردار علی خاں
- جناب شراون کمار

٭٭٭

موضوعات :

- عصری ہندوستان میں اقبال کی معنویت
- اقبال کی شعری شخصیت اور اسلوبیاتی مطالعہ
- اقبال کا تصورِ تہذیب
- اقبال کا مذہبی شعور
- اقبال کی شاعری میں علائم پیکرتراشی اور استعارے
- بیسویں صدی کی ادبی روایت میں اقبال کا مقام
- مطالعہ اقبال کے مختلف رجحانات
- اقبال کا تصورِ فن
- اقبال اور حیدرآباد

عنوانات : (پہلی نشست)

- عصری ہندوستان میں اقبال کی معنویت

(دوسری نشست)

- اقبال کا تصوّرِ فن
- شعر اقبال کا اسلوبیاتی مطالعہ کیوں ضروری ہے
- اقبال کا شعری آہنگ
- اقبال کا ترانۂ ہندی

(تیسری نشست)

- اقبال کی کلاسیکیت
- اقبال کی شاعری میں علائم
- اقبال اور استعاروں کی دریافت
- اقبال کی جمالیات میں توانائی کا ترفع

(چوتھی نشست)

- بیسویں صدی کی ادبی روایات میں اقبال کا مقام
- روس میں اقبال کا مطالعہ اور تراجم

(پانچویں نشست)

- اقبال کا مذہبی شعور، ونور
- اقبال کے ایک پیرو غلام بھیک نیرنگ
  ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی بیداری
  میں ان کا حصّہ۔
- اقبال کا مذہبی وتہذیبی شعور
- اسلامی تہذیب اقبال کی نظر میں
- اقبال کی شاعری میں لایعنیت
  اور مقاصد آفرینی۔

(چھٹی نشست)

- ۱۹۸۵ء کا اقبالیاتی ادب
- اقبال کا منسوخ کلام
- عطیہ فیضی اور اقبال
- اقبال اور بھوپال
- اقبال اور حیدرآباد

٥٥

مقررین و مقالہ نگار

- ڈاکٹر صابری تبریزی (برطانیہ)
- پروفیسر سید جمال الدین (مصر)
- پروفیسر عبدالقادر کرہان (ترکی)
- پروفیسر سید عبدالحی (بنگلہ دیش)
- مسز ایرینا مینکسی مینکوف (روس)
- جسٹس جاوید اقبال (پاکستان)
- پروفیسر محمد منور (پاکستان)
- پروفیسر جمیل جالبی (پاکستان)
- ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی (پاکستان)
- ڈاکٹر معین الدین عقیل (پاکستان)
- پروفیسر انتظار حسین (پاکستان)
- جناب عبدالرؤف عروج (پاکستان)

- پروفیسر تاراچرن رستوگی (گوہاٹی)
- پروفیسر جگن ناتھ آزاد (جموں)
- پروفیسر آلِ احمد سرور (کشمیر)
- جناب شکیل الرحمٰن (کشمیر)
- پروفیسر نثار احمد فاروقی (دہلی)
- پروفیسر گوپی چند نارنگ (دہلی)
- ڈاکٹر عبدالحق (دہلی)
- جناب شمس الرحمٰن فاروقی (دہلی)
- پروفیسر اسلوب احمد انصاری (علیگڑھ)
- جناب ممنون حسن خاں (بھوپال)
- جناب علی سردار جعفری (بمبئی)
- جناب کے۔ کے محی الدین (مدراس)
- پروفیسر عبدالستار دلوی (بمبئی)
- جناب چنیا سبیاّ (بنگلور)
- جناب اے۔ ایل بی عمر کُٹی (کیرالا)

- ○ پروفیسر گیان چند جین
- ○ پروفیسر سراج الدین
- ○ ڈاکٹر انور معظم
- ○ ڈاکٹر مغنی تبسم
- ○ ڈاکٹر مجاور حسین رضوی
- ○ ڈاکٹر عبدالقادر عمادی
- ○ جناب محمد ظہیر الدین احمد
- ○ جناب یوسف اعظمی

عابد علیخاں
صدر نشین مجلس استقبالیہ
عالمی اقبال سمینار

خطبۂ استقبالیہ

جناب صدر!

محترم خواتین و حضرات

اردو کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر اور حیدرآباد کے بانی محمد قلی قطب شاہ کے اس تاریخی اور پیار و محبت کے شہر میں میں آپ معزز حضرات و خواتین کا تہہ دل سے خیر مقدم کرتا ہوں۔ ہم سب یہاں عالمی سمینار کے موقع پر جمع ہوئے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہ سمینار اقبال شناسی کی سمت ایک سنگ میل ثابت ہوگا۔

اقبال اکیڈیمی حیدرآباد گذشتہ ۲۵ برسوں سے علامہ اقبال کے کلام اور پیام کو عام کرنے میں سرگرم عمل ہے۔ آج کا یہ بین الاقوامی سمینار اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں اندرون ملک اور بیرون ملک سے کئی ماہرین اقبالیات حصہ لے رہے ہیں۔ اس اجتماع کی خصوصیت یہ ہے کہ علامہ اقبال کے دو قریبی رفیق و شاگرد جناب ممنون حسن خاں صدر نشین بھوپال ڈیولپمنٹ اتھارٹی و ڈاکٹر تارا چرن رستوگی (گوہاٹی آسام) بھی یہاں موجود ہیں۔ ممنون حسن خاں صاحب نے اقبال کے قیامِ بھوپال کے دوران ان کے شخصی مددگار کی حیثیت سے کام کیا ہے اور بانگِ درا کی ترتیب و تدوین میں بھی ان کا حصہ رہا ہے۔ ڈاکٹر تارا چرن رستوگی علامہ اقبال کے خاص شاگردوں میں رہے ہیں۔

اس اجتماع میں اقطاعِ عالم کے اہم ماہرینِ اقبالیات موجود ہیں۔

ہم نے دنیا کے تمام مشہور ماہرینِ اقبالیات کو دعوت دی تھی، لیکن ہمیں افسوس ہے کہ بعض اہم اسکالرس جن میں اناماری شمل سرفہرست ہیں، اپنی مصروفیات کی وجہ سے شرکت نہ کرسکے۔

حضرات! اس سمینار کے انعقاد کا مقصد یہ ہے کہ علامہ اقبال پر مختلف ماہرین نے مختلف ممالک میں جو کام انجام دیا ہے، اس کا بھرپور جائزہ لیا جائے اور اقبال فہمی کے سلسلے میں جو نئے نکات پیدا ہوئے ہیں ان پر تبادلہ خیال کیا جائے۔

یہ خوش آئند بات ہے کہ پچھلے چند برسوں میں اقبال شناسی کے سلسلے میں بہت اہم اور مثبت تحقیق کے علاوہ مطالعۂ اقبال کے نئے زاویے ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ جس کے باعث علامہ اقبال کی شخصیت اور ان کی شاعری کو صحیح پس منظر میں دیکھنے اور پرکھنے میں مدد ملی ہے۔ وہ کسی مخصوص علاقہ یا فرقہ کے شاعر نہیں تھے۔ سارے مشرق کا دل ان کی شاعری میں دھڑکتا ہے بلکہ ان کی شاعری ساری انسانیت کا ایک اہم ورثہ ہے۔ سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا آج بھی ہمارے دلوں کو گرماتا ہے اور ایک نئی فکر اور قوت کا پیغام دیتا ہے۔ ہماری محبوب قائد مسز اندرا گاندھی کی ہدایت پر پنڈت روی شنکر نے اس ترانے کی دھن بنائی تھی جب بھی یہ ترانہ ریڈیو، ٹی وی اور عام جلسوں میں سنایا جاتا ہے تو ہمارے قلوب حب الوطنی اور مشترکہ تہذیب کے جذبات سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ حیدرآباد کے ایک نوجوان آرٹسٹ دنا

راکیش شرما نے خلائی وسعتوں میں سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا ہی کو دہرایا۔

اقبال کی کئی نظمیں اور اشعار ایسے ہیں جو آج بھی ہمارے لیے بانگِ درا کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اقبال نے اپنے کلام میں انسان دوستی، عالمی بھائی چارہ اور اتحاد کا وہ پیغام دیا ہے جس کی تلقین ہمارے قومی رہنما عرصہ سے کرتے آرہے ہیں۔ اقبال نے گرو نانک، رام، گوتم بدھ، بھرتری ہری کو خراج عقیدت پیش کر کے نہ صرف مذہبی رواداری کا پرچار کیا بلکہ اعلیٰ اقدار کو بھی اجاگر کیا جو سیکولرزم سے عبارت ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اقبال کے اس پیغام کو مزید تقویت دی جائے۔ مجھے توقع ہے کہ اس خصوص میں سیمنار کے اجلاسوں میں غور کیا جائے گا۔

محترم سامعین! میں یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری سمجھتا ہوں کہ لاہور کے بعد جن شہروں سے علامہ اقبال کی وابستگی رہی ہے، ان میں بھوپال اور حیدرآباد خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ مجھے یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ بھوپال کے عوام اور قایدین بالخصوص جناب ارجن سنگھ صاحب اور ان کے جانشین چیف منسٹر جناب موتی لال وہرا نے اس مکان کے تحفظ کا انتظام کیا ہے جس میں علامہ اقبال قیام بھوپال کے دوراں مقیم تھے۔ اقبال پارک اور اقبال میدان کے علاوہ مینارہ اقبال بھی وہاں تعمیر ہوا ہے۔ جس پر شاہین کا مجسمہ نصب ہے۔ علامہ اقبال کی شاعری میں شاہین طاقت، خودداری اور بلند پروازی کا علامتی اظہار ہے۔ بھوپال یونیورسٹی میں ایک اقبال چیر بھی قائم کی جارہی ہے۔ یہ اعلان بھی کیا گیا ہے کہ اقبال پر نمایاں تحقیقی کام کرنے والوں کو ہر سال پچاس ہزار کا اقبال ایوارڈ بھی دیا جائے گا۔ جو یقیناً ہندوستان میں اُردو کا سب سے بڑا ادبی انعام ہوگا۔

اقبال کے حیدرآباد سے بھی بڑے گہرے روابط رہے ہیں وہ مہاراجہ سرکشن پرشاد کے گہرے شخصی دوستوں میں سے تھے۔ مہاراجہ کی دعوت پر اقبال نے دو مرتبہ حیدرآباد کا دورہ بھی کیا تھا۔ اقبال مہاراجہ کرشن پرشاد کو بہت عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اپنے خطوط میں بڑی عزت اور احترام سے ان کو مخاطب کیا ہے مہاراجہ نے بھی اپنے خطوط میں انہیں "مائی ڈیر اقبال" اور آخر "فقیر" کے لقب سے مخاطب کیا ہے اور خود کو بھی فقیر لکھا ہے۔ ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور نے علامہ اقبال اور مہاراجہ سرکشن پرشاد کے خطوط کو یکجا کر کے کتابی شکل میں شائع کیا تھا۔ یہ خطوط کا اولین مجموعہ ہے۔ مگر یہ کتاب اب نایاب ہو گئی ہے۔ جناب تصدق حسین تاج نے بھی پہلی مرتبہ اقبال کے مضامین پر مشتمل کتاب شائع کی۔ اقبالیات میں کئی اولین اور اہم کتابوں کا سہرا حیدرآباد کے سر ہے۔ بلبل ہند مسز سروجنی نائیڈو سے بھی اقبال کے مخلصانہ مراسم تھے۔ سروجنی نائیڈو، علامہ اقبال کی یاد میں منعقدہ محفلوں میں بڑے شوق کے ساتھ شرکت کیا کرتی تھیں۔

علامہ اقبال کی وفات پر جو تعزیتی جلسہ منعقد ہوا تھا اس کی صدارت بھی سروجنی نائیڈو نے فرمائی تھی۔ اس موقع پر ان کی صدارتی تقریر بھی اب دستیاب نہیں ہے۔ اقبال اور حیدرآباد کے ربط سے متعلق کئی اور ایسے گوشے ہیں جن پر تحقیق کی ضرورت ہے۔ اگر کوئی ماہر اقبال یہ تحقیقی کام انجام دے تو نہ صرف اقبال شناسی میں مدد ملے گی بلکہ حیدرآبادی تہذیب کو سمجھنے کا بھی موقع ملے گا۔

میں آپ سب حضرات کا پھر ایک بار خیر مقدم کرتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ اس عالمی سیمینار کے مباحث

اقبال فہمی کے ضمن میں مددگار ثابت ہوں گے۔

مجھے اپنی مجبوریوں اور کوتاہیوں کا پورا پورا احساس ہے۔ آپ کے قیام حیدرآباد کو بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ تاہم شاید ہم اس معیار پر نہیں پہنچ سکے ہیں جس کی توقع ہم سے وابستہ کی گئی ہوگی۔ اس کے لیے خود کو ذمہ دار سمجھتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ آپ ہماری کوتاہیوں کو نظرانداز فرمائیں گے۔ ●●

یوسف اعظمی

لازوال آواز

(نذرِ اقبال)

تیری آواز کے ردے مریم کا مہتاب
پردہ نشیں ہوگیا
زندگی
چادرِ نور اوڑھے ہوے سوگئی
اور لہو کی صداؤں کا محبوب جسم
شعر کے پیرہن میں دہکتا ہوا
چاند تاروں کی ہے خواب تہذیب کو
آگہی کا کنارا افق دے گیا
آرزو اور جسم کے درمیان
ایک سایے کا بہتا ہوا شہر ہے
اپنی اپنی جبینوں کی تحریر میں
چیختی ہے خودی
دھندلی پرچھائیوں کے کسی شہر میں
تیری آواز شعلے سے سورج بنی
تیرے افکار کی بیکراں روشنی
دل کی بنجر زمیں کا مقدر بنی
ابرِ نیساں کا گہرا سمندر بنی۔

حکیم الامت حضرت اقبالؒ

سید خلیل اللہ حسینی صدر اقبال اکیڈمی

گیسوئے اردو منت پذیر شانہ تھا، میر کی آہِ دردناک دنیا نے سنی تھی، سودا کی شاعری کی واہ واہ سے باخبر تھی۔ لیکن اقبال کی شاعری دلیل ماہ بن کر سامنے آئی۔ اردو شعر و ادب گل کی لچکتی شاخ کی طرح نازک، پھول کی پتی کی طرح رنگین، ساغرِ مے سے زیادہ نشہ آور اور مینائے صہبا کی طرح محروم مئے حقیقت رہا۔ یہ حکیم الامت حضرت اقبال کا کارنامہ ہے کہ انھوں نے نزاکتِ شعر و ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے بھی اس کو فولاد کی صلاحیت عطا کی۔ رنگینیٔ ادب کا احترام کرتے ہوئے بھی اس کو خونِ دل کی سرخی اس طرح بخشی کہ ادب صرف ساز کا ہم نوا نہیں بلکہ سراپا سوز بن گیا۔ اُن کے ساغرِ شعر میں مئے تیز جھلکتی تو ضرور ہے لیکن اس میں کسی عشوہ و غمزہ کی کیفیات نہیں بلکہ وہ مئے توحید ہے جس کے میخانے تین سو سال سے بند تھے اور اقبال نے درِ میکدہ پر اس طرح نغمہ خوانی کی کہ بند کواڑ کھل گئے۔ زبانِ اردو اپنی تہی دامنی کے لیے مرثیہ کناں نہیں رہی بلکہ قلقلِ مینا نے اس حقیقت کا اعلان کیا کہ اب اس کا دامن گلہائے معنی سے لبریز ہے۔ اُن کی بانگِ درا نے سوئے ہوئے قافلے کو بیدار کیا۔ بالِ جبریل نے طاقتِ پرواز عطا کی۔ ضربِ کلیم نے استعماریت کو پاش پاش کیا۔ یوں تو اقبال نے بادہ و ساغر کی اصطلاحات ہی میں گفتگو کی۔ لیکن اپنی شاعری کے مقصد کے بارے میں کہا:

نغمہ کجا و من کجا سازِ سخن بہانہ ایست ۔۔۔ سوئے قطار می کشم ناقۂ بے زمام را

انھوں نے جمود و خمود و غفلت کے خلاف شدید ردِّ عمل کا اظہار کیا اور ان کی شاعری مردہ رگوں میں جمی ہوئی جمود کی یخی کو دور کرتی، مٹی کا ڈھیر بنے ہوئے عزائم کو رفعت ہمالہ کا درس سکھاتی، سوتے والوں کو جگاتی، جاگنے والوں کو چلاتی، چلنے والوں کو دوڑاتی اور دوڑنے والوں کو منزل آشنا کراتی ہے۔ اقبال نقیبِ انسانیت تھے، ان کا شدید احساس تھا کہ وہ انسان جس کو قدرت نے اپنا شہکار بنایا، نہ اپنے مقام سے واقف ہے نہ اس کو مقام عظمت ملا ہے۔ وہ استعماری و جبیرہ دستی کا شکار ہے۔ وہی ظالم اور استحصال پسند لوگ موجود ہیں جو انسانوں کو اقوام میں بانٹ کر انسان کی تباہی کا موجب ہوتے ہیں۔ جس وقت حبش پر مسولینی کی فوج حملہ آور ہوئی تو انھوں نے کہا:

تہذیب کا کمال، شرافت کا ہے زوال ۔۔۔ ہر گرگ کو ہے، برّۂ معصوم کی تلاش
غارت گری جہاں میں ہے اقوام کی معاش ۔۔۔ لے وائے آبروئے کلیسا کا آئینہ
روما نے کر دیا سرِ بازار پاش پاش ۔۔۔ پیرِ کلیسا یہ حقیقت ہے دل خراش

اقبال نے ایک ایسی سوسائٹی کا خواب دیکھا تھا جس میں ہر انسان کو اس کی مخفی صلاحیتوں کی نشو و نما کے مواقع حاصل ہوں۔ افراد اپنے تہذیبی سرمایے کی قابلِ فخر قدروں کو لے کر آگے بڑھیں۔ نقالی اور وابستۂ دیگاہ غیر کے طریقے کو ترک کریں۔ انسان کو ذہنی اور قلبی آزادی حاصل ہو اور انسان اعلیٰ مقاصد کی حصول کی کشمکش کرتا ہوا زندہ رہے۔ اقبال کے کلام کا حاصل عظمتِ انسانیت ہے۔ ان پر فرقہ پرستی کا لیبل لگانا صریحاً زیادتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ:

برتر از گردوں مقامِ آدم است ۔۔۔ اصلِ تہذیب احترامِ آدم است

علی الدین نوید

کلامِ اقبالؔ ۔ موضوعات کے آئینے میں

دل

آہ ! دنیا دل سمجھتی ہے جسے وہ دل نہیں پہلوئے انسان میں اک ہنگامہ خاموش ہے

دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو تیری نگہ توڑ دے آئینۂ مہر و ماہ

سپاس شرطِ ادب ہے ورنہ کرم ہے تیرا ستم سے بڑھکر ذرا سا اک دل دیا ہے لیکن فریب خوردہ ہے آرزو کا

عرش کا ہے کبھی کعبہ کا ہے دھوکا اِس پر کس کی منزل ہے الٰہی میرا کاشانہ دل

حد ادراک سے آگے ہیں باتیں عشق و مستی کی سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دوری

آیا کہاں سے نالۂ نے میں سرورِ مے اصل اس کی نے نواز کا دل ہے کہ چوب نے

دل کیا ہے اس کی مستی و قوت کہاں سے ہے کیوں اس کی اک نگاہ الٹتی ہے تخت کے

کیا بات ہے کہ صاحب دل کی نگاہ میں جچتی نہیں ہے سلطنتِ روم و شام و رے

جس روز دل کی رمزِ مُغنّی سمجھ گیا سمجھو تمام مرحلہ ہائے ہنر ہیں طے

عالم ہے غلام اس کے جلال ازلی کا
اک دل ہے کہ ہر لحظہ الجھتا ہے خدا سے

نظر۔ نگاہ

جہانبانی سے ہے دشوار تر کار جہاں بینی
جگر خوں ہو تو چشم دل میں ہوتی ہے نظر پیدا

نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثال تیغ اصیل

دلوں میں ولولے آفاق گیری کے نہیں اٹھتے
نگاہوں میں اگر پیدا نہ ہوں انداز آفاقی

فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے

نگہ بلند، سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لیے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نگاہ وہ نہیں جو سرخ و زرد پہچانے
نگاہ وہ ہے کہ محتاج مہر و ماہ نہیں

نگاہ ہو تو بہائے نظارہ کچھ بھی نہیں
کہ بیچتی نہیں فطرت جمال و زیبائی

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبار جہاں
نگاہ شوق اگر ہو شریک بینائی

نگاہ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

لالہ

ضمیر لالہ مے روشن چراغ آرزو کر دے
چمن کے ذرے ذرے کو شہید جستجو کر دے

عروسِ لالہ مناسب نہیں ہے مجھ سے حجاب کہ میں نسیمِ سحر کے سوا کچھ اور نہیں

خیاباں میں ہے منتظر لالہ کب سے قبا چاہیئے اس کو خونِ عرب سے

ابرِ نیساں، یہ تنک بخشیِ شبنم کب تک میرے کہسار کے لالے ہیں تہی جام ابھی

بھٹکا ہوا ہے راہی میں، بھٹکا ہوا راہی تو منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی

پنپ سکا نہ خیاباں میں لالۂ دل سوز کہ ساز گار نہیں یہ جہانِ گندم و جو

فقر:

گو فقر بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ نا پختہ ہے پرویزی بے سلطنتِ پرویز

دی دکن ڈیزلس

ڈیزل فیول انجکشن انجینیرز

مائیکو اور باش کے مسلمہ ڈیلرز۔

5-1-496/2, PutliBouli

HYDERABAD

فون: 41895 پارٹنر: ایم اے لطیف

بلاسودی

سرمایہ کاری میں ایک انقلابی اقدام

مرکز انوسٹمنٹ کمپنی

نمبر ۱۲ فرسٹ فلور

پتلی باولی

ایم سی ایچ کامپلکس

حیدرآباد

اقبال کی تعلیمی زندگی بہ یک نظر

ابتدائی تعلیم مولانا غلام حسن اور علامہ سید میر حسن کے مکتب میں حاصل کی۔

۱۸۹۱ء مشن ہائی اسکول سیالکوٹ سے مڈل کا امتحان پاس کیا۔

۱۸۹۳ء اسکاچ مشن ہائی اسکول سے میٹرک کا امتحان درجۂ اول میں پاس کیا۔

۴ مئی اسکول کی طرف سے تمغہ دیا گیا اور وظیفہ بھی جاری ہوا۔

۱۸۹۵ء اسکاچ مشن کالج سیالکوٹ کے طالب علم کی حیثیت سے پنجاب یونیورسٹی سے انٹرمیڈیٹ کا امتحان درجۂ دوم میں پاس کیا۔

۱۸۹۷ء گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے کا امتحان درجۂ دوم میں پاس کیا۔ عربی کے مضمون میں اول آنے پر پنجاب یونیورسٹی سے "خان بہادر ایف ایس جلال الدین" طلائی تمغہ حاصل کیا۔

۱۸۹۹ء گورنمنٹ کالج لاہور سے ایم اے (فلسفہ) کا امتحان تیسرے درجہ میں پاس کیا۔ یونیورسٹی بھر میں واحد کامیاب امیدوار ہونے کی وجہ "خان بہادر شیخ نانک بخش" تمغہ حاصل کیا۔

۱۹۰۷ء کیمبرج سے بی اے کی ڈگری حاصل کی۔

۱۹۰۸ء میونخ یونیورسٹی (جرمنی) نے پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی۔

مقالہ کا موضوع: (The Development of Metaphsics in persia)

۱۹۰۸ء لنکنز ان (Lincolnss Inn) سے بیرسٹری کی تکمیل کی۔

ٹراویلس کی دنیا میں آج ہر ایک کی

زبان پر ایک ہی نام

مظہر ٹراویلس

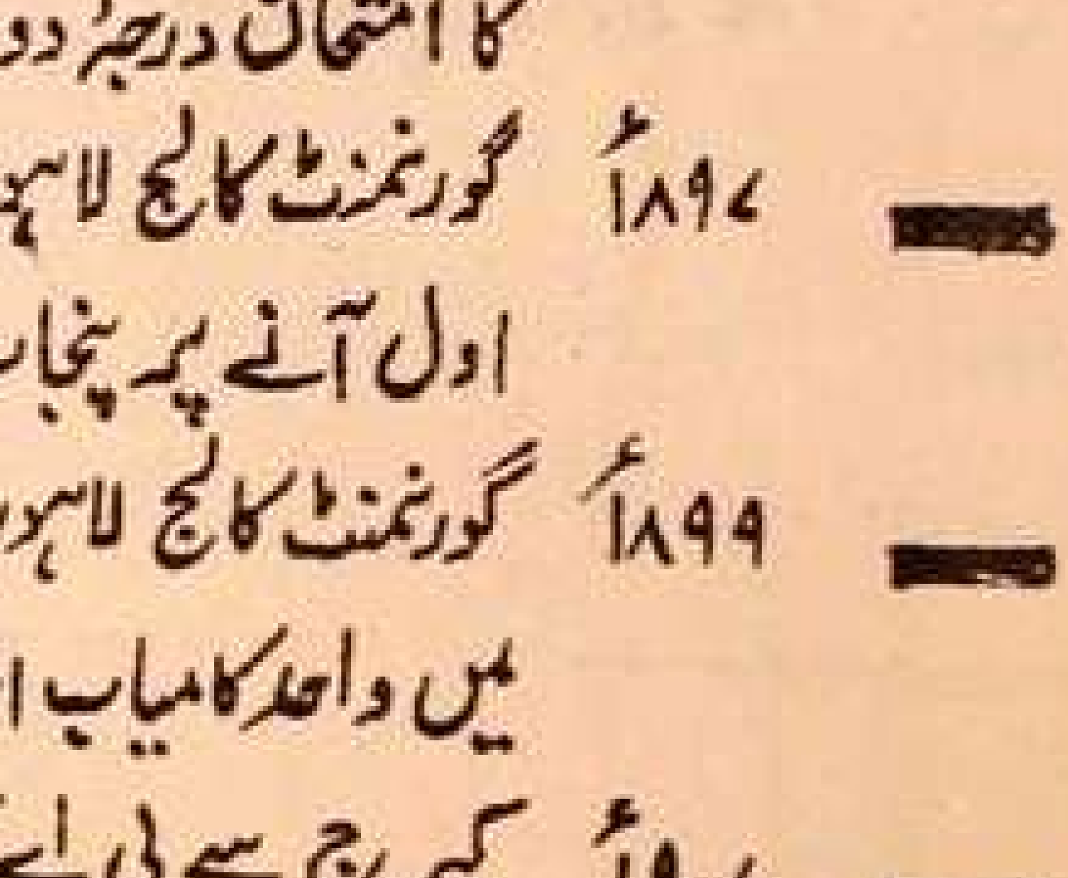

مسلمہ حکومت ہند

جہاں آپ کے ٹراویلس کے جملہ امور کی تکمیل ذمہ داری سے کی جاتی ہے

مظہر منشن 3-6-293/4 حیدرگوڑہ حیدرآباد فون 225084

اقبال کی تصانیف کی اولین اشاعتیں

- ۱۹۰۳ء — علم الاقتصاد
- ۱۹۰۸ء — پی ایچ ڈی کا مقالہ The Development of Metaphysics in persia
- ۱۹۱۵ء — اسرارِ خودی
- ۱۹۱۸ء — رموزِ بیخودی
- ۱۹۲۳ء — پیامِ مشرق
- ۱۹۲۴ء — بانگِ درا
- ۱۹۲۷ء — زبورِ عجم
- ۱۹۳۰ء — خطبات (چھ انگریزی خطبوں کا مجموعہ)
The Reconstruction of Religious Thought in Islam
- ۱۹۳۲ء — جاوید نامہ
- ۱۹۳۴ء — مسافر
- ۱۹۳۵ء — بالِ جبریل
- ۱۹۳۶ء — پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق
- ۱۹۳۶ء — ضربِ کلیم
- ۱۹۳۸ء — ارمغانِ حجاز (بعد از انتقال)

کب اور کہاں؟

- ۱۹۰۰ء ۲۴ فروری — انجمن حمایت اسلام لاہور کے ۱۵ ویں سالانہ جلسہ میں پہلی مرتبہ شریک ہو کر اپنی مشہور نظم "نالۂ یتیم" سنائی۔
- ۱۹۰۱ء ۲۴ فروری — انجمن حمایت
- ۱۹۰۲ء ۲۳ فروری — انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں نظم "اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں" سے پڑھی۔
- ۱۹۰۳ء یکم مارچ — انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں نظم "فریادِ امت" پڑھی۔
- ۱۹۰۴ء — انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں نظم "تصویرِ درد" پڑھی
- ۱۹۰۵ء — یورپ جاتے ہوئے دہلی میں درگاہ حضرت نظام الدین اولیاؒ میں نظم "التجائے مسافر" پڑھی۔
- ۱۹۱۱ء اپریل — انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں اپنے والد بزرگوار شیخ نور محمد کی موجودگی میں نظم "شکوہ" پڑھی۔
- ۱۹۱۲ء ۱۶ اپریل — انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں نظم "شمع اور شاعر" پڑھی۔
- ۱۹۱۳ء — باغ بیرون موچی دروازہ میں منعقدہ ایک جلسۂ عام میں نظم "جوابِ شکوہ" پڑھی۔
- ۱۹۲۲ء ۱۶ اپریل — انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں نظم "خضرِ راہ" پڑھی!
- ۱۹۲۳ء ۳۰ مارچ — انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں نظم "طلوعِ اسلام" پڑھی۔
- ۱۹۳۶ء ۱۲ اپریل — انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ میں آخری بار شریک ہو کر نظم "نغمۂ سرمدی" پڑھی۔

وقار خلیل

اقبال

اقبالؔ تہذیبِ وفا
اقبالؔ صدیوں کی دعا

رمزآشنائے کبریا،
یعنی حدیثِ مصطفےٰ

وہ بے خودی کا رازداں
خود آگہی کا فلسفا

مشرق سے تا مغرب تلک
یکساں صدی کا سلسلا

بانگِ رحیلِ کارواں
اقبالؔ دانش کی صدا

ہر عہد میں اس کا سخن
انسانیت کا ارتقاء

اقبالؔ حرفِ آرزو
اقبالؔ حرفِ مدعا

عاجز قلم، قاصر زباں
میں کیا کہوں وہ کیا نہ تھا

کیا نظم لکھو گے وقارؔ
وہ شاہ اور تم اک گدا

٥

نظر حیدرآبادی

حیدرآباد میں
پہلا یومِ اقبال

اہلِ حیدرآباد اس امتیاز کے بھی حامل ہیں کہ انہوں نے اقبال کی زندگی میں "یوم اقبال" منانے میں پہل کی. میری نظروں میں آج سے بیتن سال پہلے کا حیدرآباد گھوم رہا ہے. دریا دل، علم دوست اور فقیر منش امیروں کا حیدرآباد، درمیانہ طبقے کے خوش پوش کج کلاہوں کا حیدرآباد، امارت گزیدہ مولویوں اور گوشہ نشین علماء کا حیدرآباد. ہندو مسلم اتحاد کے نقطۂ عروج پر ستارہ کی طرح چمکنے والا حیدرآباد. اسی حیدرآباد نے مشرق کے سب سے بڑے انقلابی شاعر اور حکیم کو کس پروقار اور والہانہ انداز میں خراجِ عقیدت پیش کیا تھا. یہ منظر زندگی بھر نہیں بھلایا جا سکتا.

۹ جنوری ۱۹۳۸ء کی خنک صبح اس طرح طلوع ہوئی کہ باغِ عامہ کے پُرسکون اور خاموش ماحول میں ہلچل سی مچ گئی. نو بجتے بجتے پاپیادہ چلنے والوں، سائیکل سواروں اور لمبی لمبی رنگ برنگی موٹروں کا ایک جلوس ٹاؤن ہال (باغ عامہ) کی طرف رواں دواں نظر آنے لگا. وردی پوش سپاہی راستوں کے انتظامات پر مامور تھے. لوگ جوق در جوق ٹاؤن ہال کے اندر داخل ہو رہے تھے تاکہ آرام دہ کرسیوں پر بیٹھنے کی جگہ حاصل کر سکیں. ہال بھر گیا، ہال کے اوپر کی گیلریاں بھر گئیں حتیٰ کہ دروازوں اور کھڑکیوں پر مجمع نے قبضہ کر لیا. انسانوں کا ایک طوفان تھا کہ اُمڈا چلا آتا تھا. اتنا بڑا اجتماع کہیں اور ہوتا تو شاید کان پڑی آواز سُنائی نہ دیتی لیکن یہاں سنجیدگی تھی پر وقار سنجیدگی، شائستگی تھی، ایسی شائستگی جسے مشرقی تمدن کی آخری علامت کہا جا سکتا ہے یہاں تماشائی کم تھے اہلِ نظر زیادہ. پورے ماحول پر کسی شاہی دربار کا سا جلال طاری تھا. حالانکہ یہ دربار ایک درویشِ خدامست کا تھا. اس مرد قلندر کا جس کی قدِ آدم تصویر اسٹیج پر کرسی صدارت کے پیچھے رکھی ہوئی تھی. سارے مجمع کی آنکھیں اس تصویر پر لگی ہوئی تھیں اور ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے یہ تصویر اب بولنے ہی والی ہے. سب گوش بر آواز تھے! —— اتنے میں سیٹیاں بجنے لگیں. یہ اعلان تھا کہ اس محفل کے صدر آپہنچے. سارا مجمع ایستادہ ہو گیا. دیکھتے ہی دیکھتے اسٹیج لال، پیلی، ہری اور سفید دستاروں اور سادہ و پُرکار شیروانیوں اور ان کے وسط میں چمکنے والے بکلسوں اور بیٹیوں سے بھر گیا. لوگ اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے. قرآن خوانی کے بعد نواب بہادر یار جنگ (صدر مسلم کلچر سوسائٹی) نے تحریکِ صدارت کی اور نظام دکن کے ولی عہد شہزادۂ برار نے مخصوص شاہانہ انداز میں کرسی صدارت سنبھالی. گویا ایک قلندر کی مجلس میں شاہ و گدا کا مرتبہ ایک ہو گیا. اقبال کے حضور حیدرآباد کے اہلِ علم کے اظہارِ عقیدت کا یہ انداز ممکن ہے، آج کچھ غیر ترقی پسندانہ معلوم ہو لیکن ۱۹۳۸ء اور اس سے پہلے کے حیدرآباد

میں اتنا بڑا اعزاز کبھی کسی کو نہیں حاصل ہوا۔ "فرنگی مدنیت" کی فتوحات کا آئندہ ہونے والا "یارِ وفادار" سیاستِ افرنگ کے سب سے بڑے باغی شاعر کو اس طرح خراجِ عقیدت پیش کر رہا تھا۔

"یہ امر میری انتہائی مسرت کا باعث ہے کہ آج میں اس تقریب میں بذاتِ خود شریک ہوں، جو آپ مشرق کے مایۂ ناز شاعر سر محمد اقبال کی ادبی اور فلسفیانہ خدمات پر حیدرآباد کی طرف سے اظہارِ استحسان کے لئے منعقد کر رہے ہیں۔ اقبال نے اپنے فارسی اور اردو کلام کے ذریعہ مشرق میں موجودہ نسل کی ذہنیت کو متاثر کیا ہے بجا طور پر وہ دنیا کا ایک بہت بڑا مفکر اور مصنف مانا جاتا ہے اور بحیثیت شاعر وہ بنی نوع انسان کے لئے ایک پیغام کا حامل ہے۔ یہی وہ خصوصیات ہیں جن کا حیدرآباد اعتراف کر رہا ہے۔

خواتین و حضرات! میں اس تقریب کی کامیابی کا دل سے متمنی ہوں"۔

شہزادۂ برار کی مختصر سی افتتاحی تقریر کے بعد سر اکبری حیدری نے بحیثیتِ امیر جامعہ عثمانیہ اقبال کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا، ان کے بعد حسبِ ذیل پیغامات سنائے گئے۔

ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور

"ہندوستان کے شاعرِ اعظم کے "یوم" منانے میں میری مسرتیں بھی آپ کے ساتھ ہیں۔ مجھے عمر بھر اس بات کا افسوس رہے گا کہ میں اقبال جیسے شاعرِ اعظم کا کلام اردو اور فارسی زبانوں سے ناواقفیت کی وجہ سے اصلی و ادبی حسن کارانہ روپ میں نہ دیکھ سکا۔ خدا اقبال کو قوم اور ملک کی خدمت کے لئے زندہ و سلامت رکھے"۔

مسز سروجنی نائیڈو

"میں اپنے بہترین دوست اقبال کو ہندوستانی نشاۃِ ثانیہ کا عظیم ترین شاعر سمجھتی ہوں۔ اس شاعر کے اردو اور فارسی شعری کارنامے ہندوستانی قوم کے زبردست رہبر و رہنما ثابت ہوں گے"۔

پنڈت جواہر لال نہرو

"اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شاعرِ اعظم کے نغموں کی وجہ سے موجودہ نسل زبردست متاثر ہوئی۔ اقبال کی خداداد قابلیت کا ہر شخص معترف ہے۔ "یومِ اقبال" کی کامیابی کی توقع پر مسرت کا اظہار کرتا ہوں"۔

ہز ہائینس آغا خان

"اقبال جو اردو اور فارسی زبانوں کا مایۂ ناز شاعرِ اعظم ہے اس کا یوم مناکر آپ نے اسلامی تہذیب کو درخشاں کر دیا۔ اقبال کی شاعری میں ہندوستانی قومیت کے راز پوشیدہ ہیں"۔

ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال

"مجھے مسرت ہوئی کہ "یومِ اقبال" ہز ہائینس پرنس آف برار ولی عہد خانوادۂ آصفی کی صدارت میں منایا جارہا ہے اقبال کے نغموں میں ہندوستانی قومیت کے راز مضمر ہیں۔ اس فلسفی شاعر نے اہلِ ہند کو خوابِ غفلت سے چونکا کر ان میں احساسِ بیداری پیدا کر دیا"۔

ہز ہائینس نواب صاحب رام پور

"اقبال ڈے" کے شاندار موقع پر مجھے مبارکباد کہنے کی مسرت حاصل ہو رہی ہے۔ اس شاعرِ اعظم نے اردو، فارسی

شاعری کے علاوہ فلسفہ کی جتنی خدمت انجام دی ہے اس کا اعتراف ہر شخص کو ہے ۔"

سر سکندر حیات خاں

" میں انتہائی مسرت محسوس کر رہا ہوں کہ شاعرِ اعظم کا یوم ہز ہائی نس پرنس آف برار کی صدارت میں شاندار طریقہ سے منایا جارہا ہے ۔ اس فلسفی شاعر کے پرستاروں کی بہترین توقعات مسلم کلچر سوسائٹی سے وابستہ ہیں ۔"

لاتعداد پیامات میں سے چند منتخب پیام نقل کر دیے گئے ہیں تاکہ جلسہ کی اہمیت اور انتظام و اہتمام کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکے ۔ پیامات کے بعد ڈاکٹر عبداللطیف نے اقبال پر انگریزی میں تقریر کی اور اقبال کے موضوعات شعر اور مشرقی تمدنی روایات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ اقبال کا کلام نہ خالص شاعری کا روپ رکھتا ہے نہ نرے فلسفہ کا، بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس نے عرفانِ عمرانی کے مرکب کی شکل پائی ہے ۔ عرفانِ عمرانی کی ترکیب کی وضاحت انہوں نے یہ کی تھی کہ اقبال کا عالمی تصور، زندگی کے جس پیام جاوید کی طرف اشارہ کرتا ہے وہ ہمیشہ سے روحِ فطرت میں کارفرما رہا ہے اور بنی نوع انسان کی حیات مدنی کے لئے ایک ایسے مطمح نظر کو متعین کرتا ہے جسے آج کی دنیا میں ہر جگہ فراموش کیا جارہا ہے ۔

ڈاکٹر عبداللطیف کے بعد ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے اقبال کے محاسنِ شعری پر مقالہ پڑھا اور ثابت کیا کہ تخیل اقبال نے فکر کی جولانیوں کے لئے ایسے میدان کھول دیے ہیں کہ جن کی طرف اس سے پہلے اردو شاعروں کی توجہ منعطف نہیں ہوئی تھی ۔ انہوں نے بتایا کہ اقبال نے لفظی چٹکلوں اور دور از کار محاورہ بندیوں سے اردو شاعری کو نجات دلائی اور ان کی جگہ حقائق کی تلخیوں اور سیاسیات حاضرہ کے مشکل مسائل کو اس خوبی سے شاعری کا جامہ پہنایا کہ اب اردو شاعری کے موضوعات ہی بدل گئے اور شاعری واقعی ساحری بن گئی ۔

اکبر وفاقانی نے کلام اقبال کے حسن کارانہ پہلو پر ایک دلچسپ تقریر کی ۔ ان کی تقریر کا عنوان ذرا انوکھا اور چونکا دینے والا تھا ۔ اکبر صاحب کا خیال ہے کہ شاعری حسن کاری کا سب سے بلند مظہر ہے اور شاعر حسن کاری کا مبالغہ ۔ شاعر ایک ایسا حسن کار ہوتا ہے جو رنگ و مُو قلم، سنگ و تیشہ اور رباب و مضراب کی بجائے الفاظ اور قلم کو تخلیق کا ذریعہ بناتا ہے اس لئے جتنا بڑا شاعر ہوگا اتنا ہی بڑا حسن کار ہوگا ۔ شاعری کو جب حسن کارانہ نقطۂ نظر سے دیکھا جاتا ہے تو شعر ایک رنگین تصویر، خوب صورت مجسمہ اور دلکش نغمہ بن جاتا ہے ۔ اس نقطۂ نظر سے اقبال کے کلام کا جائزہ لینے کے بعد انہوں نے کہا تھا کہ اقبال نہ صرف اردو اور فارسی کا بڑا شاعر ہے بلکہ وہ ہندوستان کا سب سے انوکھا حسن کار بھی ہے ۔ اور اس کی حسن کاری میں مغربی پرتو کے ساتھ ساتھ مشرقی خوبیاں اور مسلم ذہنیت کی رنگا رنگی بھی ملتی ہے ۔ اس کے بعد انہوں نے اقبال کی بہت سی ایسی نظموں کو مثال پر پیش کیا تھا جن چھوٹے اور بڑے کینوس پر شاعر نے لفظوں کے ذریعہ بھرا تھا ۔

یوم اقبال کی پہلی نشست میں مذکورہ بالا حضرات کے علاوہ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی نے بھی ایک پُر مغز مقالہ پڑھا تھا لیکن ہمیں افسوس ہے کہ باوجود کوشش کے اس کی نقل حاصل نہ کی جا سکی ۔ ان مقالوں کے علاوہ جن شعراء نے اقبال پر نظمیں پڑھی تھیں

اب ہم یوم اقبال کی دوسری نشست کی روداد پیش کرتے ہیں ۔

دوسری نشست سہ پہر میں منعقد ہوئی تھی ۔ حاضرین کی تعداد صبح کے اجلاس سے کچھ زیادہ ہی تھی ۔ اس کی دو وجوہ تھیں ۔ ایک وجہ تو یہ تھی کہ اس جلسہ کی صدارت اقبال کے ایک ندیم مداح اور دوست مہاراجہ کشن پرشاد کرنے والے تھے ۔

دوسری وجہ اور اہم وجہ یہ تھی کہ اس جلسہ میں مسلمانوں کے

محبوب قائد نواب بہادر یار جنگ کی تقریر ہونے والی تھی۔ اہلِ حیدر آباد نے اقبال کے مردِ مومن کو بہادر یار جنگ کی ذات میں چلتا پھرتا دیکھا تھا۔ گفتار کے تو وہ غازی تھے ہی لیکن ان کا کردار بھی قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کے سوا کہیں اور نظر نہیں آتا۔ کلام اقبال کی تشریح اور توضیح اور وہ بھی بہادر یار جنگ کی زبان سے، عجیب کیفیت طاری تھی، عجیب درد و سوز اور مدہوشی کا عالم تھا کہ جس کے بیان کے لئے زبان میں یارا نہیں۔ اسی عالمِ کیف و سرور کی وجہ سے نواب صاحب کی وہ یادگار اور شاہکار تقریر محفوظ نہ کی جاسکی۔ ہاں سننے والوں کے دلوں میں اس کی ایک خوش گوار یاد باقی رہ گئی ہے۔ نواب بہادر یار جنگ کی تقریر کے علاوہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں اور مخدوم محی الدین نے بھی اس جلسہ میں مقالے پڑھے تھے۔ ڈاکٹر یوسف حسین خاں کا مقالہ ہمارے خیال میں خاکہ تھا اس اہم کتاب کا جو بعد میں " روحِ اقبال " کے نام سے شائع ہوئی اور جس کے مطالعہ کے بغیر اقبالیات پر کوئی کام کیا ہی نہیں جاسکتا۔ "روحِ اقبال" پر ہمارا تبصرہ "اقبال پر مطبوعات" میں دیکھا جاسکتا ہے۔

دوسرے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے مہاراجہ کشن پرشاد نے اپنے خطبے کا آغاز ان جملوں سے کیا تھا :

"اُردو شاعری کے "جشن ہجوم" میں آج کا دن ایک یادگار دن ہے کیونکہ آج ہم سر اقبال جیسے مشہور اور مقبول شاعر کی خصوصیات کی دادِ تحسین کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ مجھے اس کی مسرت ہے کہ آپ نے اس جلسے کے دوسرے اجلاس کی صدارت کا اعزاز مجھے عطا کیا ہے۔ میرے سر اقبال سے ذاتی تعلقات بھی ہیں۔ یہی تعلقات مجھے اپنی کم نظری کے باوجود اس کا مستحق ٹھہراتے ہیں"۔

خطبۂ صدارت کے اگلے حصوں میں اُردو شاعری کے ماضی کا حال بیان کرنے کے بعد انہوں نے فرمایا کہ ہمارے عہدِ گزشتہ کی شاعری فنی نقطۂ نظر سے کتنی ہی کامیاب سہی لیکن اس نے ہماری حیاتِ اجتماعی پر اچھا اثر نہیں ڈالا۔ اور ہمارا سرمایۂ شعری "جمالیاتی" اور "حزنی" کیفیات تک محدود ہے لیکن ہندوستان میں شعری انقلاب کا باعث اقبال کا کلام ہے اور یہی وجہ ہے کہ اقبال آج جس بین الاقوامی شہرت کا مالک ہے وہ اس کا جائز حق ہے۔ آخر میں انہوں نے کہا کہ ظلم ہوتا اگر مشرق کے اس عظیم شاعر کی زندگی میں ہم اسے خراجِ عقیدت نہ پیش کرتے اور اہلِ ملک اقبال کا وہ "قرض" ادا نہ کر دیتے جو ادبی اور علمی حیثیت میں ان پر واجب تھا۔

مہاراجہ کے خطبۂ صدارت کے بعد مخدوم محی الدین نے بعنوان "مجاہد اقبال" مقالہ پڑھا۔ خاص خاص باتیں یہ تھیں کہ اقبال کے کلام کے کئی پہلو ہیں۔ اسی مناسبت سے ان پر بحث کی جاتی ہے اور انہیں پہلوؤں میں سے ایک پہلو جہاد ہے۔ اقبال کے پیشِ نظر اجتماعی اور انفرادی سیرت کا ایک مخصوص تصور ہے۔ اور جب بھی وہ کسی کو اپنے نصب العین سے ہٹا ہوا پاتا ہے تو اس کے خلاف اعلانِ جہاد کرتا ہے۔

چپ رہ نہ سکا حضرتِ یزداں میں بھی اقبال
کرتا کوئی اس بندۂ گستاخ کا منہ بند

مخدوم کی رائے میں یہی مجاہد کی تعریف ہے۔ ان کے خیال میں یہی بندۂ گستاخ کہیں اقبال، کہیں مردِ مومن، کہیں قلندر اور کہیں مردِ کامل کے نام سے یاد کیا گیا ہے اور دنیا کی تاریخ میں یہ مجاہد ہر عہد کے سماجی حالات سے مطابق کبھی مصلح، کبھی مدبر کبھی شاعر، کبھی پیغمبروں کے روپ میں جلوہ گر ہوا ہے۔ وہ حق پرست اور باطل شکن ہوتا ہے۔ وہ اپنے بیگانوں میں امتیاز نہیں کرتا۔ وہ فرعون کے لئے موسیٰ اور لات وہبل کے لئے محمدؐ ہے۔

یہ مقالہ کافی طویل تھا لیکن شگفتہ اندازِ بیان کی وجہ سے بہت پسند کیا گیا۔ اب ہم وہ نظمیں پیش کرتے ہیں جو "یومِ اقبال"

میں پڑھی گئیں ۔ یہ علی الترتیب مخدوم محی الدین، سکندر علی وجد، اور صاحبزادہ میکش مرحوم کی ہیں۔

مخدوم سے آپ متعارف ہو چکے ہیں۔ سکندر علی وجد کا شمار اُردو شاعری کی جدید نسل کی صفِ اول میں کیا جاتا ہے۔ اقبال کی شاعری سے وہ اس درجہ متاثر رہے ہیں کہ اقبال کو اگر ان کا روحانی مرشد کہا جائے تو مناسب ہے۔ اب تک ان کے دو مجموعے "لہو ترنگ" اور "آفتابِ تازہ" منظرِ عام پر آچکے ہیں۔

صاحبزادہ میکش کو مرحوم لکھتے ہوئے آج بھی ہاتھ لرزتے ہیں حالانکہ اس حادثۂ جانکاہ کو گذرے تقریباً گیارہ سال کا عرصہ ہوتا ہے۔ میکش غیر معمولی صلاحیتوں کا مالک تھا۔ ایسا زود نویس شاعر اور ادیب نظر سے کم گزرا ہے۔ ماہ نامہ "سب رس" کا اقبال نمبر اسی نے مرتب کیا تھا۔ اس نے اپنے کلام کے تین مجموعے "گریہ و تبسم"، "نوید" اور "کاغذ کی ناؤ" اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ جو اس کی جوانمرگی کے غم کو ہمیشہ تازہ کرتے رہیں گے۔

اقبال

اس اندھیرے میں یہ کون آتش نوا گانے لگا
جانبِ مشرق اُجالا سا نظر آنے لگا

موت کی پرچھائیاں چھٹنے لگیں چھٹنے لگیں
ظلمتوں کی چادریں ہٹنے لگیں ہٹنے لگیں

ایک شرارہ اڑتے اڑتے آسمانوں تک گیا،
آسماں کے نور پیکر نوجوانوں تک گیا

عالمِ بالا پہ باہم مشورے ہونے لگے
آسمانوں پر زمیں کے تذکرے ہونے لگے

پھر اندھیرے میں وہی آتش نوا پایا گیا
زندگی کے موڑ پہ گاتا ہوا پایا گیا،

وہ نقیبِ زندگی شام و سحر گاتا گیا
کو بہ کو، کوچہ بہ کوچہ، دربدر گاتا گیا

گیت سننے کے لئے خلقِ خدا آنے لگی
گردنوں کو جنبشیں دے کر یہ فرمانے لگی

نغمۂ جبریل ہے انسان کا گانا نہیں
صورِ اسرافیل ہے دنیا نے پہچانا نہیں

عرش کی قندیل ہے اک آسمانی راگ ہے
راگ کیا ہے سر سے پا تک عشق کی اک آگ ہے

مخدوم محی الدین

اقبال

مبارک ہو جہانِ شعر کی پیغمبری تجھ کو
ملی ہے شاعرانِ خوش نوا کی سروری تجھ کو

دلوں میں احترامِ عشق پیدا کر دیا تو نے
سخن کو دم میں ہمدوشِ ثریا کر دیا تو نے

گراں خوابی ہوئی کافور تیری ضربِ پیہم سے
ہوئی سرسبز کشتِ ملتِ بیضا ترے دم سے

ترا ہر شعر دل کی سمت پورا وار ہے گویا
زبانِ پاک تیری تیغِ جوہر دار ہے گویا

ترے فیضِ نظر سے حریت کی بزم روشن ہے
تری ضربِ کلیمی سے غلامی لرزہ بر تن ہے

اشاروں میں دیا درسِ رموزِ بے خودی تو نے
فنا کو بڑھ کے دکھلایا چراغِ زندگی تو نے

ترا سازِ خودی جس دم حقیقت پاش ہوتا ہے
مثالِ صبح رازِ زندگانی فاش ہوتا ہے

خرد بیزار تھی آشفتگی کے آستانے سے — اسے تو راہ پر لایا جنوں کے تازیانے سے
کہاں ہوتے ہیں تجھ سے اہلِ دل اہلِ نظر پیدا — کئے تیری نگاہوں نے ہزاروں دیدہ ور پیدا
جہاں میں نام پیدا کر لیا ہے ہم نشینوں نے — کئی خرمن بنا ڈالے ہیں تیرے خوشہ چینوں نے
اُسے کیا قحطِ مے ہو جس کی جانب چشمِ ساقی ہے — تجھے کیا غم ہے اے اُردو! ابھی اقبال باقی ہے.

سکندر علی وجد

اقبال

سونے والوں کو پیامِ صبحِ نو دیتی ہوئی — خواب کی دنیا اٹھی، انگڑائیاں لیتی ہوئی
مطلعِ مشرق پہ چمکا آفتابِ شاعری — ہر کرن، جس کی بنی، تارِ ربابِ شاعری
دل پہ تھا جو داغِ غفلت اس کو آہیں دھو گئیں — خونِ مشرق میں ہزاروں بجلیاں حل ہو گئیں
ضبط کے زخمِ نہاں، فریاد سے بھرنے لگے — یعنی بندے بھی خدا سے گفتگو کرنے لگے
عارضِ پُر نور جھلکا، گیسوئے شب رنگ سے — جوئبارِ سازِ دل نکلی سکوتِ سنگ سے
اشکِ خونیں میں نظر آئی تبسم کی جھلک — نغمۂ بلبل بنی، خاموش پھولوں کی مہک
کارواں بڑھنے لگا، تیزی سے منزل کی طرف — کائناتِ درد خود کھنچنے لگی، دل کی طرف
دہر کے دھارے پہ طوفانی ہوا، سہنے لگی — ناؤ مشرق کی کنارے کی طرف بہنے لگی.
جاگ اٹھا، مشرق دل اقبال کی دھڑکن گواہ — واہ کا محشر لئے آتی ہے جس کے لب پہ آہ

قلبِ شاعر سے صداقت لے کے نکلی شاعری
سچ کہا ہے "شاعری جزویست از پیغمبری"

میکش
(ماخوذ از اقبال اور حیدرآباد. نظر حیدرآبادی)

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

حیدرآباد میں اقبالؒ کا

جلسۂ تعزیت

کاش اپنی عمر کے ایام دے سکتا تجھے　　　　اور واپس موت کے ہاتھوں سے لے سکتا تجھے　　(علی اختر)

۲۱ر اپریل ۱۹۳۸ء کی صبح اقبال کے انتقال کی پُرملال خبر لے کر آئی ۔ جس نے سنا بجھا بجھا سا ہو کر رہ گیا ۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اپنے ہی گھر سے کوئی سدھار گیا ۔ ابھی چار مہینے تو گذرے تھے کہ ملک بھر نے نہایت تزک و احتشام سے "یوم اقبال" منایا تھا ۔ اور کوئی امیر کوئی غریب، کوئی شاعر، کوئی ادیب، کوئی حکیم، کوئی خطیب، کوئی عالم اور کوئی سیاست داں ایسا نہ تھا جس نے اقبال کی درازیٔ عمر کے لئے دعا نہ کی ہو ۔

آرزوں سے بدل سکتی ہیں تقدیریں کہیں

موت پر کسی کا بس نہ چلا اور قوم کا اقبال، ملک کا اقبال، ادب کا اقبال دیکھتے ہی دیکھتے گہنا گیا ۔ یہ حسرت ناک خبر جب میں نے والدِ بزرگوار مولانا علی اخترؒ کی خدمتِ گرامی میں عرض کی تو سناٹے میں آگئے ۔ بہت دیر تک خلا میں گھورتے رہے اور پھر یکایک آنکھوں سے آنسو اور زبان پر مذکورہ بالا شعر جاری ہو گیا ۔ یہ شعر ان کی نظم "وداعِ اقبال" میں شامل نہیں ہے لیکن میرے ذہن میں اس وقت کی کیفیت اور یہ شعر آج تک محفوظ ہے اس لئے یہاں اس کا اظہار برمحل معلوم ہوا

کاش اپنی عمر کے ایام دے سکتا تجھے　　　　اور واپس موت کے ہاتھوں سے لے سکتا تجھے

شہر کے سارے کاروبار بند رہے ۔ کالجوں اور اسکولوں میں چھٹی ہو گئی ۔ دوسرے دن اضلاعِ حیدرآباد کے تمام اسکولوں اور سماجی انجمنوں نے تعزیتی جلسے منعقد کئے ۔ خود شہر حیدرآباد میں ایک عظیم الشان تعزیتی جلسہ زمرد محل تھیٹر میں ہوا ۔ اجلاس کی صدارت مسز سروجنی نائیڈو نے کی ۔ حاضرین کی تعداد شمار سے باہر تھی ۔ صرف چار ماہ پہلے لوگ کس ذوق و شوق سے یوم اقبال کی تقریبِ سعید میں شرکت کے لئے ٹاؤن ہال پہنچے تھے ۔ لیکن اس وقت کی انبساط انگیز اور اس وقت کی کرب آمیز فضا میں کتنا فرق تھا ۔

آدمی محسوس کر سکتا ہے کہہ سکتا نہیں

ہاں سوچنے اور محسوس کرنے والوں کے لئے اتنا فرق ضرور واضح تھا کہ "یوم اقبال" کی تقریب طلوعِ آفتاب کے بعد صبح کی چمکدار روشنی میں منائی گئی تھی ۔ اور یہ جلسۂ تعزیت سرِ شام شروع ہوا ۔ ادھر آفتاب غروب ہو رہا تھا اور ادھر ہزاروں آنکھوں میں اقبال کی یاد آنسو بن کر "طلوع" ہو رہی تھی !

مقررین میں نواب بہادر یار جنگ، ڈاکٹر خلیفہ عبد الحکیم، ڈاکٹر یوسف حسین خاں، نواب مہدی یار جنگ تھے ۔ اور راجہ پرتاب گیرجی نے ہندوؤں کی اور کیقباد جنگ نے پارسیوں کی نمائندگی کی تھی ۔ اس جلسہ کے لئے حسبِ ذیل حضرات نے پیامات بھیجے تھے ۔

قائد اعظم، راجہ صاحب محمود آباد، پرنس آف برار، سر اکبر حیدری، سر مرزا اسماعیل، سر سکندر حیات خاں، ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور، پنڈت جواہر لال نہرو، سر تیج بہادر سپرو، سبھاش چندر بوس، ڈاکٹر سید محمود اور سر سلطان احمد۔

راجہ پرتاپ گیرجی نے ہندوؤں کی نمائندگی کرتے ہوئے کہا تھا :

"ہندو، مسلمان، پارسی، عیسائی کون ایسا ہے جو اقبال کو نہیں چاہتا، اقبال ہے تو سب کچھ، اقبال نہیں تو کچھ بھی نہیں۔ میں تو اس نہ مٹنے والے اقبال پر مرمٹا ہوں جو نہ صرف اپنے میٹھے میٹھے راگوں سے دل کو موہ رہا ہے بلکہ اپنے پرجوش ترانوں سے خدا کی مخلوق کو غفلت کی نیند سے جگا رہا تھا۔ وہ روحانیت کے نشہ میں چور تھا کہ جو اس کے نشہ کو دیکھے خود بخود مخمور ہو جائے۔ یعنی وہ رند بھی تھا، واعظ بھی اور شاعر بھی تھا اور متقی بھی، وہ ہندو مسلم اتحاد کا بانی رہا ہے"۔

کیقباد جنگ نے پارسیوں کی طرف سے کہا

"آج ہم اس ناقابلِ تلافی نقصان پر اظہارِ افسوس کے لئے جمع ہوئے ہیں جو ڈاکٹر سر محمد اقبال کی المناک موت نے نہ صرف ملکِ ہند یا ملتِ اسلامیہ پر بلکہ پوری متمدن دنیا پر ڈھایا ہے۔ اقبال ہند کو اپنا وطن اور اہلِ ہند کو اپنا ہم قوم سمجھتے تھے۔ اقبال کے دل میں ہند اور اہلِ ہند کی سچی محبت جاگزیں تھی"۔

بہادر یار جنگ کی تقریر بڑی پُر اثر تھی لیکن افسوس ہے کہ ان کی پوری تقریر محفوظ نہ کی گئی۔ البتہ تقریر کے ابتدائی حصہ کا صرف ایک جز "آثارِ اقبال" میں شائع کیا گیا ہے۔

مسز سروجنی نائیڈو نے اپنی مخصوص من موہنی اور گونجتی گرجتی لیکن اندرونی درد و کرب سے لبریز آواز میں اقبال کو خراجِ عقیدت پیش کیا تھا۔ ان کے شہرۂ آفاق انگریزی لہجے میں بڑی رواں دواں تقریر تھی۔ افسوس ہے کہ یہ تقریر بھی کسی نے محفوظ نہ کی۔ ہاں اتنا یاد ہے کہ انہوں نے اپنی تقریر کے اختتام پر اقبال کا یہ شعر بڑے پرجوش انداز میں پڑھا تھا۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں　　محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

اگلے صفحات میں آپ وہ نظمیں اور تاریخیں پڑھیں گے جو اقبال کی وفات پر حیدرآباد میں کہی گئیں۔

وداعِ اقبال

الوداع اے نطق کی سحر آفرینی کے امام
الوداع اے محفلِ معنی کے میرِ اہتمام
الوداع اے بزمِ مشرق کے خداوندِ سخن
الوداع اے نکتہ سنجِ نازشِ اربابِ فن
الوداع اے مطربِ پاکیزہ الحاں الوداع
الوداع اے سرخوشِ صہبائے عرفاں الوداع
الوداع اے خسروِ شیریں کلامی الوداع
الوداع اے حسنِ فطرت کے پیامی الوداع

جا! کہ تیری منتظر تھی دیر سے خلدِ بریں
اٹھ! کہ یہ دنیا ابھی اسرار کی محرم نہیں

اے کہ تیرے نور سے رخشاں ہوئی صبحِ وطن
تو نے کی ویرانۂ ہستی میں تعمیرِ چمن
سازِ مشرق میں سمو دی نغمۂ مغرب کی لے
تو نے یا بھر دی نئے پیالوں میں صہبائے کہن
ہستی موہوم سے پھوٹا حقیقت کا جمال
پنکھڑی پر جیسے رقصاں صبح کی پہلی کرن
تو نے ان پھولوں کو سینچا باغبانِ پختہ کار
انجم گردوں سے ٹکراتا ہے جن کا بانکپن
اب بجھا سکتی نہیں جس کو ہوائے روزگار
تو نے سینوں میں لگا دی زندگی کی وہ لگن
تو نے چھیڑا سازیوں اے مطربِ شیریں نوا
لے کے خود انگڑائیاں اٹھی عروسِ علم و فن
اللہ اللہ تیری فطرت کی جمال آرائیاں
خار و خس کو تو نے دی تقدیرِ حسنِ یاسمن

تیری تدبیروں کا منت کش ہے آئینِ بہار
بھول سکتا ہی نہیں تیرا یہ احساں روزگار

شاعرِ ہندی کہ تھا سرگشتۂ وہم و خیال
تو نے سمجھائے اسے فطرت کے اسرارِ جمال
"آرٹ" کی تعریف تھی یا گریۂ مرگ و مزار
شعر میں کہتے تھے یا افسانۂ ہجر و وصال
استعارے کی لطافت، خوبیاں تشبیہ کی
سطح ہیں شاعر کی زد میں ہو رہی تھیں پائمال
شعر نے تیرے سکھایا حسنِ اندازِ کلام
فکر نے تیری جلائی شمعِ آئینِ کمال
جوش ہے یوں ہوں بہت ہیں اور بھی اہلِ نگاہ
تھی مگر کچھ اور تیری جنبشِ موجِ خیال

شعر کا فطری سلیقہ، آگہی، فکرِ عمیق — سچ تو یہ ہے کہ ایک بھی ہم میں نہیں تیری مثال
شاہدِ ہستی کو تو نے دے دیا حسنِ دوام — نطقِ انسانی کو تو نے کر دیا سحرِ حلال
تیری چوکھٹ پر ادب سے بڑھ کے رکھتے تھے قدم — قیصر و کسریٰ کی عظمت، پیرِ دانش کا جلال

مدتوں کرتی ہے گردش جستجو میں کائنات
تب کہیں ملتا ہے ایسا محرمِ رازِ حیات

موت اور اقبال تو نے کیا کہا او سطح بیں! — موت اس کے گوشۂ داماں کو چھو سکتی نہیں
تو ابھی تک نارسی کی حد میں ہے گم کردہ راہ — ہستیٔ اقبال تھی سرنامۂ علم و یقیں
جس کی ہر موجِ نفس تھی نغمہ پردازِ حیات — شاعرِ مشرق کو جس نے کر دیا ناز آفریں
جاودانی حسن سے معمور تھا جس کا خیال — سرمدی انوار سے تابندہ تھی جس کی جبیں
جس نے مرجھائی ہوئی نبضوں میں دوڑایا لہو — خاک کے ذروں کو جس نے کر دیا گردوں نشیں
خاک کو جس نے گلستاں کی لطافت بخش دی — جس نے گردوں سے بڑھا دی سرحدِ اہلِ زمیں
جس نے کھولے بے خبر دنیا پہ اسرارِ حیات — جس کی باتیں دل پذیر اور جس کے نغمے دل نشیں
ہستیِ فانی کو جس نے جاودانی کر دیا — موت اس کو چھین لے ہم سے نہیں ہرگز نہیں

وہ بھی زندہ اس کا پیغامِ عمل بھی زندہ ہے
زندگی کے نور سے اس کی جبیں تابندہ ہے

علی اختر

۵۵

پس از من شعرِ من خوانند و دریابند و می گویند
جہانے را دگرگوں کرد یک مردِ خود آگاہے

حیدرآباد میں اقبال پر مطبوعات

حیدرآباد میں اقبال پر جتنا اور جیسا کام ہوا وہ کمیت اور کیفیت دونوں میں بہت گراں قدر ہے۔ اس کی ہمیشہ زندہ رہنے والی مثالیں وہ مطبوعات ہیں جو تقسیم ملک سے بہت پہلے حیدرآباد کے اور حیدرآباد میں رہنے والے اہلِ قلم نے لکھی ہیں۔ اس ذخیرہ میں تخلیقات کے علاوہ مستقل تصانیف بھی ہیں۔ اور منتشر مضامین بھی۔ مرتبین اور مصنفین کی صف میں مشہور انشاء پرداز، اساتذہ اور طالب علم نظر آتے ہیں —
(اقبال اور حیدرآباد دکن۔ مرتبہ نظر حیدرآبادی صفحہ ۵)

مطبوعات کی فہرست ۱۹۴۸ء سے پہلے

۱۔	عبدالرزاق راشد	مرتب	کلیاتِ اقبال	۱۹۲۳ء
۲۔	آقا سید محمد علی		اقبال پر فارسی مقالہ	۱۹۲۸ء
۳۔	میر حسن الدین	مترجم	فلسفۂ عجم	۱۹۳۶ء
۴۔	تصدق حسین تاج	مرتب	نظم اقبال	۱۹۳۷ء
۵۔	خواجہ حمیدالدین شاہد و صاحبزادہ میکش	مرتب	سب رس اقبال نمبر	۱۹۳۸ء
۶۔	ڈاکٹر مولوی عبدالحق	مدیر	اُردو اقبال نمبر	۱۹۳۸ء
۷۔	تصدق حسین تاج	مرتب	نظم اقبال سفر حیدرآباد	۱۹۳۸ء
۸۔	〃	〃	نظم سپاس جناب امیر	۱۹۳۸ء
۹۔	〃	〃	تبرکاتِ اقبال	۱۹۳۹ء
۱۰۔	ابوظفر عبدالواحد		متاعِ اقبال	۱۹۳۹ء
۱۱۔	ابومحمد مصلح		قرآن اور اقبال	۱۹۴۰ء
۱۲۔	میر حسن الدین	مترجم	ختم نبوت اور قادیانیت	نامعلوم

۱۳.	محمد کمال خاں	مرتب	اقبال کا قرآنی پیام	۱۹۴۰ء
۱۴.	ڈاکٹر یوسف حسین خاں		روحِ اقبال	۱۹۴۲ء
۱۵.	محی الدین قادری زور	مرتب	شادِ اقبال	۱۹۴۲ء
۱۶.	مشتاق احمد چشتی	مرتب	اقبال کے خطوط جناح کے نام	۱۹۴۳ء
۱۷.	ڈاکٹر رضی الدین صدیقی		اقبال کا تصورِ زماں و مکاں	۱۹۴۴ء
۱۸.	ڈاکٹر غلام دستگیر رشید		آثارِ اقبال	۱۹۴۴ء
۱۹.	ڈاکٹر میر ولی الدین		رموزِ اقبال	۱۹۴۴ء
۲۰.	سید عبد الواحد معینی		اقبال ۔ فن اور فکر (انگریزی)	۱۹۴۴ء
۲۱.	انعام اللہ خاں	مرتب	خطبۂ صدارت از علامہ اقبال ۱۹۳۰ء	۱۹۴۴ء
۲۲.	اشتیاق حسین		مقامِ اقبال	۱۹۴۵ء
۲۳.	ڈاکٹر غلام دستگیر رشید		فکرِ اقبال	۱۹۴۵ء
۲۴.	"		حکمتِ اقبال	۱۹۴۵ء
۲۵.	شاغل فخری		تصوراتِ اقبال	۱۹۴۵ء
۲۶.	حسن الاعظمی		الحیات والموت فی فلسفہ اقبال	۱۹۴۶ء
۲۷.	عزیز احمد		اقبال نئی تشکیل	۱۹۴۷ء
۲۸.	بزمِ اقبال حیدرآباد دکن		مرقعِ اقبال	۱۹۴۸ء

۱۹۴۹ء کے بعد

۲۹.	محمد احمد خاں		اقبال کا سیاسی کارنامہ	۱۹۵۲ء
۳۰.	ڈاکٹر محمد ظہیر الدین الجامعی		اقبال کی کہانی کچھ میری کچھ ان کی زبانی	۱۹۵۲ء
۳۱.	ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ		اقبالِ سخن	۱۹۵۳ء
۳۲.	ڈاکٹر غلام عمر خاں		روحِ اسلام اقبال کی نظر میں	۱۹۶۴ء
۳۳.	ڈاکٹر بی گوپال ریڈی		اقبال کویتلو (تلگو)	۱۹۶۴ء
۳۴.	ابو عبد اللہ محمد		اقبال اسلامی پس منظر میں	۱۹۶۵ء
۳۵.	ڈاکٹر غلام عمر خاں		اقبال کا تصورِ خودی	۱۹۶۶ء
۳۶.	سید محمد ابراہیم نہری		حضرت اقبال کا نعتیہ کلام	۱۹۶۸ء
۳۷.	ڈاکٹر غلام عمر خاں		اقبال کا تصورِ عشق	۱۹۷۳ء
۳۸.	اشفاق حسین		اقبال اور انسان	۱۹۷۴ء
۳۹.	مضطر مجاز	مترجم	طلوعِ مشرق (منظوم ترجمہ)	۱۹۷۵ء

۴۰۔	قدیر امتیاز		اقبال اور عظمتِ آدم	۱۹۷۶ء
۴۱۔	ڈاکٹر غلام عمر خاں		عورت اقبال کی نظر میں	۱۹۷۶ء
۴۲۔	مضطر مجاز		ارمغانِ حجاز (منظوم ترجمہ)	۱۹۷۷ء
۴۳۔	ڈاکٹر عالم خوندمیری و ڈاکٹر مغنی تبسم	مرتبین	فکرِ اقبال	۱۹۷۷ء
۴۴۔	عقیل الرحمٰن عقیل		نذرِ اقبال	۱۹۷۷ء
۴۵۔	ڈاکٹر نوری		ڈاکٹر اقبال سے ادب کے ساتھ	۱۹۷۸ء
۴۶۔	میر ولایت علی		تبویب کلامِ اقبال	۱۹۷۹ء
۴۷۔	ساجدہ ادیب		اقبال بحیثیت فلسفی (انگریزی)	۱۹۸۲ء
۴۸۔	امتہ الکریم		اقبال کی قومی شاعری	۱۹۸۳ء

اقبال اکیڈمی (حیدرآباد) کی مطبوعات

۴۹۔	نواب میر محمد علی خاں ٹامٹرو	مترجم	شکوہ اور جوابِ شکوہ (انگریزی)	۱۹۷۳ء
۵۰۔	ڈاکٹر رحیم الدین کمال		خطبۂ استقبالیہ صدی تقاریب	۱۹۷۳ء
۵۱۔	کریم رضا و مظہر لطیفی	مرتبین	اقبال کا ذہنی سفر	۱۹۷۹ء
۵۲۔	سید مصلح الدین سعدی و محمد ظہیر الدین احمد	مرتبین	اقبالیاتِ ماجد	۱۹۷۹ء
۵۳۔	محمد ظہیر الدین احمد	مرتب	تحریری آرٹیکلس آف اقبال	۱۹۷۹ء
۵۴۔	سید مصلح الدین سعدی	مرتب	اقبالیاتِ باقی	۱۹۸۰ء
۵۵۔	مضطر مجاز	مترجم	جاوید نامہ (منظوم ترجمہ)	۱۹۸۱ء
۵۶۔	اقبال		شکوہ جواب شکوہ	۱۹۸۱ء
۵۷۔	عبدالحلیم	مترجم	مسجد قرطبہ (منظوم ترجمہ)	۱۹۸۱ء
۵۸۔	سید مصلح الدین سعدی	مرتب	چشمۂ آفتاب	۱۹۸۲ء
۵۹۔	سید شکیل احمد		اقبال ۔ نئی تحقیق	۱۹۸۴ء
۶۰۔	محمد ظہیر الدین احمد	مرتب	اقبال کشش اور گریز (ڈاکٹر عالم خوندمیری کے اقبالیات پر مضامین)	۱۹۸۵ء

سید شکیل احمد

شاد اور اقبال کے روابط

مہاراجہ کشن پرشاد سے علامہ اقبال کے نہایت پرخلوص روابط تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے غم اور خوشی میں برابر کے شریک، باہمی رواداری اور خیرسگالی کے جذبات سے معمور دونوں کی خط وکتابت، ایک دوسرے سے ملاقات کے لئے دونوں طرف ایک مستقل تڑپ کا اظہار وہ نمایاں خصوصیات ہیں جو حیدرآباد کے فرقہ وارانہ تناظر میں ایک خصوصی مشن پر دونوں شخصیتوں سے ایک اہم تاریخی کردار ادا کروا رہی تھیں۔

اقبال کے حکیمانہ اور محبت و بے غرضی سے مملو خطوط میں سے صرف ایک خط کے حسب ذیل جملے ملاحظہ ہوں:

"مجھے جو خلوص سرکار سے ہے اس کا راز معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں یہ راز مضمر ہے اس دل میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بخشا ہے سرکار کی قبائے امارت سے میرے دل کو مسرت ہے۔ مگر میری نگاہ اس سے پرے جاتی ہے جو اس قبا میں پوشیدہ ہے...... انسانی قلب کے لئے اس سے بڑھ کر ذلیل بختی اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کا خلوص پروردۂ اغراض و مقاصد ہوجائے...... اللہ نے اس کو نگاہِ بلند اور دل غیور عطا کیا ہے جو خدمت کا طالب نہیں اور احباب کی خدمت کو ہمیشہ حاضر ہے"

اس خط کے ان جملوں کے درمیان چھوڑے گئے 'خلاء' میں اقبال نے اپنے شخصی رد عمل کو بیان کرتے ہوئے اس امر کی کوشش کی ہے کہ ان ناصحانہ کلمات سے مہاراجہ کوئی تکدر محسوس نہ کریں اور بات بھی واضح ہوجائے اور کسی خوشامدانہ روش کا احتمال بھی نہ پیدا ہو۔ اظہارِ بیان میں "سرکار" اور "سرکار والا تبار" کی تکرار محض مخلصانہ اظہار گفتگو ہی نہیں، اس بلند ترین منصب انسانیت اور معراج بشری کے تئیں اظہارِ عقیدت بھی ہے جس پر اقبال مہاراجہ کشن پرشاد کو دیکھنا چاہتے تھے۔ پھر اقبال کے نزدیک مہاراجہ کشن پرشاد کو صدارت عظمیٰ پر متمکن دیکھنے کی آرزو کسی ذاتی مقصد کے لئے نہیں بلکہ اس خیرسگالی اور بھائی چارگی کے لئے تھی جو وہ مہاراجہ کو ریاست کے دو بڑے فرقوں کے درمیان میل و ملاپ کے واحد قابلِ بھروسہ رابطہ کی صورت میں دیکھنا چاہتے تھے۔ آمدم برسر مطلب مہاراجہ کشن پرشاد نے ۱۲ر اپریل ۱۹۱۹ء کو لکھا:

"کیوں اقبال رولٹ بل کی خاطر ہندو مسلمانوں کے ساتھ کھانے پینے اور ہر امر میں شریک ہونے کو ایکائیت اور یگانگت سمجھ رہے ہیں لیکن کوئی اخبار

آپ کا شاد صرف خدا کی توحید کی خاطر اور اپنے آقا محبوب دکن کے مصالح اور ملک و رعایائے شہر اور مسلمان ہندو اتحاد اور میل ملاپ کے۔ بلاتعصبِ مذہب و ملت

اُدھر بھگوان کہتے تھے اِدھر کہتے تھے یا رحمان
فقط تھا نام سے کام اس کے کچھ ہے اور نہ تھا ارمان
مگر کہتے ہیں یہ ہندو مسلماں ہو گیا ہے شاد
مسلمان کہتے تھے اس کا نہیں ہے صاف کچھ ایمان"

آگے لکھتے ہیں :

" ساڑھے گیارہ سال دکن کی وزارت کی اور مختلف اقوام کی خدمت گزاری کو خدا کے واسطے اپنا فریضہ سمجھ کر بلا رو رعایت ہر قوم کی خدمت گزاری کو اپنی ڈیوٹی اور فریضہ سمجھ کر بغیر کسی نکسیر پھوٹنے کے، سب کو ٹھنڈے دل سے لے کر چلا"۔

اقبال نے اس خط کے جواب میں لکھا :

" سرکار نے اقوام ہند کے متعلق جو کچھ فرمایا بجا ہے ..... خواجہ حافظ کا شعر تسکین کا باعث ہے۔

ہاں مشو نومید چوں واقف نہ از سرِ غیب | باشد اندر پردہ بازی ہائے پنہاں غم مخور

میرا ارادہ رامائن کو اُردو میں لکھنے کا ہے "۔ (۲۵/۴/۱۹۱۹ء)

مہاراجہ کشن پرشاد کے انہی جذبات وحدت اور خیر سگالی کے باعث اقبال کا یہ سوچا سمجھا خیال تھا :

" ہم فقیروں کے نزدیک تو مصلحت یہی ہے اور یہی تقاضہ حالاتِ حاضرہ کا بھی ہے کہ شاد دکن کے مدار المہام ہوں۔ کیا عجب کہ یہی تقاضائے وقت و حالات تقدیرِ الٰہی کے بھی مطابق ہو"۔ (۲۶/۱۰/۱۹۲۲ء)

صدارت عظمٰی پر مہاراجہ کشن پرشاد کے دوبارہ تقرر پہ اقبال نے ہدیۂ تبریک پیش کیا تھا۔ اس کے جواب میں شاد اقبال کو لکھتے ہیں :

" فقیر کی صدارت کو پبلک کے جوش نے ملکی مفاد کے اعتبار سے جیسی کچھ اہمیت دی ہے وہ کسی تشریح و توضیح کی محتاج نہیں ہے۔ اگرچہ ارکین سلطنت کی موجودہ کشمکش ان کے اندرونی و بیرونی اختلافات مخالفانہ سرگرمیاں، خردہ گیروں کی پرشور سیاسی فضا، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جو باب حکومت کے اقتداری مستقبل پر اثر ڈالنے والی ہیں۔ اگر اس وقت کے حالات سے ہوشیار و باخبر خیر اندیشانِ دولت نے اپنے ذاتی اغراض و مفاد کو سلطنت کی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانا سکون قلب کے ساتھ گوارا کر لیا تو یقیناً میری صدارت کے نتائج من حیث السلطنت اس کے لئے مفید و سود مند نکل سکیں گے۔ اور اس کے برعکس وہ اپنی ضد و ہٹ دھرمی اور سازشوں پر قائم رہ کر اختلافات کے طلسم سے نکلنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور ذاتیات کے خیال کو وہ اپنے سے دُور نہ کر سکے تو اس امر کے یقین نہ کر لینے کی کوئی وجہ نہیں کہ ان کی اس وقت کی خود غرض مندی خواہ ذاتی اغراض کے باعث معرض وجود میں آئی ہو یا پارٹی فیلنگ کے اثرات نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر بصارت کو اس حد تک جلا دیا ہو کہ مستقبل قریب تک ان کی نظر کی رسائی نہ ہو اس کا اثر سلطنت کے وقار کو ذایل کئے بغیر نہ رہے گا"۔ (شاد اقبال ص ۱۷۵)

مہاراجہ بہادر نے ظاہر ہے کہ ان سطور کے ذریعہ اپنا دل کھول کر رکھ دیا تھا۔ اور اقبال کی عین توقعات کے مطابق اپنی منصبی ذمہ داریوں سے کماحقہٗ واقفیت اور ان پر گامزن ہونے کا پورا پورا یقین دلایا تھا۔ نیز اس بھاری کام میں ان کا تعاون ان الفاظ میں چاہا تھا :

"... مگر اس کے ساتھ ہی مجرد میری کوشش اس وقت تک بے نتیجہ ہوگی جب تک آپ ایسا سلیم الرائے شخص میرا قوت بازو نہ ہوگا"۔ (ایضاً)

جامعہ عثمانیہ کے سلسلے میں بظاہر اقبالؔ کی سرد مہری کو کم کرتے ہوئے مہاراجہ کشن پرشاد نے اقبالؔ سے جو کچھ دریافت کیا تھا اسے گذشتہ صفحات میں ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔ اپنے جوابی خط کے آخر میں اقبالؔ نے شادؔ کی خدمت میں دو شعر بنظرِ اصلاح پیش کیے تھے۔ حیدرآباد کے فرقہ وارانہ مسئلہ کے پس منظر میں ان اشعار کی معنویت سمجھ میں آتی ہے۔ جامعہ عثمانیہ کو وہ ہندو مسلم برادرانہ روابط کو مستحکم بنیادوں پر استوار کرنے کا ایک موثر ذریعہ دیکھنا چاہتے تھے۔ ایسے روابط جو وقتی سیاسی مصالح کے تابع نہ ہوں اور " دکن کے انقلابی دور میں باہمی میل جول، مروت اور خلوص کی بنیادوں پر قائم رشتوں کی طرح دور رس اثرات کے حامل ہوں۔ ایسے رشتے جو تمام حکومت کسی ایک فریق کے قبضۂ قدرت میں ہونے کے باوجود " من تو شدم تو من شدی " کا عملی ثبوت دینے کے اہل ہوں۔ اقبالؔ اور شادؔ کی اس دور کی خط و کتابت انہی نکات پر محیط نظر آتی ہے۔

مولوی عبدالرؤف شوقؔ حیدرآبادی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سراپا مبارک پر ایک نظم "مرقع رحمت" لکھی۔ علامہ نے جب وہ نظم پڑھی تو یہ رائے دی۔

" شوقؔ صاحب کی نظم میں نے دیکھی ہے اس کے ہر شعر میں خلوص و محبت اور عقیدت کی جھلک ہے۔ خوشا وہ دل جو عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نشیمن ہوا۔ مولوی سید عبدالرؤف صاحب مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت عطا فرمائی۔ میری نگاہ میں ان کا ہر شعر قابلِ احترام ہے۔ " (انوار اقبال ص۱۴)

حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

حاذق اینڈ محی

قدیم و نایاب کتب کے لیے

۴-۸۱۹-۲۰ مسجد چوک حیدرآباد - ۵۰۰۰۰۲ ہندوستان

ڈاکٹر عالم خوندمیری

عالم کا خط اقبال کے نام

اے غمگسارِ انساں اے دانائے راز
شادم کہ عاشقاں را سوزِ دوام دادی
درماں نیافریدی آزارِ جستجو را

اس خاموشی، اس تنہائی اور اس سناٹے میں کس نے یہ ساز چھیڑ دیا، یہ کیسا عجیب نغمہ ہے؟ کتنا پرسوز اور دل نواز جیسے کوہساروں سے گرتے ہوئے پرشور آبشار۔ جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم۔ دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں۔ یہ کیسی آواز ہے جس سے اب تک کان لذت گیر ہیں۔ کیا یہ وہی سرودِ رفتہ ہے، وہی آپ کی آواز ہے جس نے آدم کے خیر مقدم میں سب سے پہلے وہ نعرۂ مستانہ بلند کیا جس کی گونج آج تک باقی ہے۔ غالب کے بعد آپ ہی نے ایک انسان کا تصور دیا جس کی خوبیں جگری پر عشق چلا اٹھا اور جس کی صاحب نظری کے آگے حسن بھی کانپ گیا۔

زمانہ صبحِ ازل سے رہا ہے محوِ سفر
مگر یہ اس کی تگ و دو سے ہو سکا نہ کہن

ہماری شاعری اور ہمارے ادب میں آپ سے پہلے انسان ایک حقیر اور مجبور وجود تھا۔ وہ جسے قدرت نے مہر و ماہ کی تسخیر کے لئے پیدا کیا تھا، وہ جو اپنی تقدیر میں فرشتہ جسد و ہمبر شکار و یزداں گیر تھا۔ وہ جس کی ہمت مردانہ کا تقاضا تھا کہ یزداں کو اپنی کمند میں لے آئے اور وہ جس کے عروج کے تصوّر سے انجم بھی سہمے جاتے تھے۔ ایسے وجود کو ہمارے شاعروں نے ایک مجبور وجود بنا دیا اور اختیار جو انسان کا ایک بنیادی وصف تھا ایک دھوکہ، ایک فریب اور ایک وہم بن گیا۔ انسان کا یہ نا آشنائے کہنگی تصوّر آپ سے پہلے کس نے دیا تھا؟ آپ ہی نے پہلی بار نفس انسان کی لازوال پذیر اور ابدکوش حقیقتوں کو محسوس کیا اور تکریم آدم کے ایک اور رخ تصوّر کو ابھارا۔ وہ رازِ خدا بن گیا۔ اسے وہ بحر بنایا جس کا ہر قطرہ ہے بحرِ بیکرانہ۔ اس کی متضاد کیفیتوں کو ایک عجیب وحدت بخشی۔ اسے صفتِ الٰہی کا خوش پیکر قرار دیا اور اس کا شریک کار سمجھا۔ کیا آپ ہی کہنا نہیں:

نوائے عشق را ساز است آدم
کشاید راز و خود راز است آدم
جہاں او آفرید، این خوب تر ساخت
مگر با ایزد انباز است آدم

آپ سے پہلے کس نے اس اندازِ دلبری سے اس کی عظمت و سرفرازی کا راگ چھیڑا تھا۔ آپ نے انسان کو شاہین بھی کہا اور اُسے آدابِ فنا بھی سکھائے اور ایک نئے "جادہ" کی تخلیق کے راز بھی :

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش — براہِ دیگراں رفتن عذاب است

گر از دستِ تو کارِ نادر آید — گناہے ہم اگر باشد ثواب است

آپ نے جس مرحلۂ شوق کی طرف بلایا، جستجو اور آرزو کے جو طوفان اس کے اندر اٹھائے، اُسے جو وقار بخشا یہ وہی آپ کی بخشی ہوئی انوکھی برتری اور سرفرازی تو ہے جس نے انسان کو اُردو شاعری کی ایک روایت بنا دیا۔

"جشنِ گل" کی جستجو آپ کو تڑپاتی تھی آپ کی خوبیٔ قسمت کہ آپ نے اُسے پا لیا۔ لیکن آپ کے بعد آنے والے جو اس تلاشِ گل میں چلے تو شاید راستہ ہی کھو بیٹھے۔ شاید زندگی کے غوغائے محشر نے انہیں کچھ اتنا حیران و پریشان بنا دیا کہ وہ اپنی خموشیوں کو نغمہ نہ بنا سکے۔ اپنی آوازِ دروں کو خود نہ سُن سکے اور آپ کی سی جولانیٔ فکر اور اس آہنگ کو نہ پا سکے جو فن کو باقی اور لازوال بناتا ہے۔ شاید وہ اس "سوزِ جگر" سے محروم تھے جو "حقیقت" کو فن کا روپ عطا کرتا ہے۔

آپ نے انسانی نظروں کو وہ حسن دکھایا جو سوزِ زندگی بن کر ہر لمحے میں منور رہتا ہے مگر آپ کے بعد آنے والے اس حسنِ پنہاں کی لطافتوں کو پوری طرح نہ پا سکے۔ آپ نے رنگ و نور کی جو عمارت کھڑی کی، انسانی عظمت و وقار کا جو معیار بلند کیا آنے والوں نے اس کے جواہر پاروں سے کسبِ نور ضرور کیا خود بھی اس بلندی کو چھونا چاہا لیکن ان میں وہ طاقتِ پرواز نہ تھی۔ اس کی بلندیوں کے آگے وہ ٹھٹھر کر رہ گئے۔ فن کے ہمالیہ کی سب سے اونچی چوٹی پر پہونچنا اتنا آسان تو نہیں۔ انہوں نے آپ کے نقوشِ راہ پر چلنا چاہا، آپ کی فکر آپ کے احساس اور تجربے کو رہنما بنایا اور گو آپ کی تیزیٔ فکر و نرمیٔ گفتار تک نہ پہنچ سکے تاہم آج اُردو ادب بہت کچھ اُن روایتوں کا رہینِ منت ہے جو آپ کے وجدان کا حاصل تھیں۔

میں سوچتا ہوں کہ اگر آپ نہ ہوتے تو اُردو شاعری کتنی مفلس اور کتنی نادار ہوتی۔ ایک غالب کہاں تک ترقی یافتہ زبانوں کے شعر و ادب کا مقابلہ کرتا۔ آپ نے عظیم پیش رو کی پیدا کی ہوئی راہوں کو عظیم شاہراہوں میں تبدیل کر دیا۔ میر کا نفسیوۂ گفتار بھی تھا، غالب کی بلندیٔ فکر بھی۔ انیس کا پرجوش اندازِ بیاں بھی تھا اور حالی کا بے پناہ خلوص بھی۔ لیکن ان سب بکھرے ہوئے لمحات کو ایک ایسے حسین پیکر میں تبدیل کرنا جس کی اپنی شخصیت بھی ہو اور آزاد وجود بھی" یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ اور اسی لئے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ پچھلا ادب آپ کی آمد کی ایک تیاری تھا۔

نطشے کے الفاظ میں ایک "عبور" تھا۔ زمانۂ ادب کے ایک فوق البشر کا منتظر تھا اور یہ سب اس آنے والے فوق البشر کے منتشر جلوے تھے۔ میر نے کہا تھا :

سرسری ہم جہان سے گزرے — ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا

آپ کو اس بات کا ملال نہیں، آپ نے تمام ممکن دریاؤں کی سیر کی اور پھر اس بلندی پر پہنچ گئے جہاں آپ نے محسوس کیا

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں — ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

آپ کو بہت پہلے اس بات کا اندازہ ہو گیا تھا کہ ہمارے شاعروں اور ادیبوں نے چند ایک کلیوں پر قناعت کر لی ہے۔ آپ نے تنگیٔ داماں کا علاج دریافت کیا اور اپنے دامن کو کائنات کے گلہائے رنگا رنگ سے بھر لیا۔ جب حالی نے یہ کہا تھا :

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں — اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں

تو شاید اُردو شاعری کے اس معصوم عارف کی نظر اُردو شاعروں کے افق پر ایک ابھرتے ہوئے سورج کو دیکھ رہی تھی جو صحیح معنی میں اس کا اور اس کے روحانی اُستاد (غالبؔ) کا سچا جانشین بننے والا تھا۔ وہ جانشین ہی کیا جو پہلے سرمایے میں اضافہ نہ کر سکے۔ یہ لکھتے لکھتے مجھے خیال آیا کہ شاید آپ کے بعض کم فہم مداح ـــ اور آپ سے میں یہ راز کی بات کہہ دوں کہ آپ کے مداحوں کی اکثریت کم فہموں پر مشتمل ہے! اس بات پر ناراض ہو جائیں کہ ـــ "رہنے دو ابھی ساغر و مینا مرے آگے" کہنے والے شاعر کا میں نے آپ کو سچا جانشین بتلایا ہے مگر آپ اپنے مداحوں اور نکتہ چینوں کی اس مشترک گمراہی کو تو ذرا دیکھئے کہ وہ جو آپ کی زندگی کا صرف ایک "لمحہ" تھا جو دراصل قوتِ حیات کی فراوانی کا نتیجہ تھا اُسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے اور آپ کی زندگی کے اس ایک "لمحۂ مختصر" کو آپ کی ساری "شعلہ زار" اور "شبنم ریز" کیفیتوں پر طاری کر دیا۔ آپ کی ایک دنیائے نو کی تعمیر کے خواب کو صحیح رنگ میں نہ دیکھ سکے اور آپ کے جذبہ و احساس کی باریکیوں کو نہ پا سکے۔ آپ بنیادی طور پر اس "جہانِ کہنہ" سے بیزار تھے اور اپنے لیے ایک ایسا جہاں تعمیر کرنا چاہتے تھے جو "نوخیز" ہو۔ حقیقتِ حاضر سے بےزاری اور ایک نئے مستقبل کے خواب، یہی تو ایک بڑے فن کار اور عارف کی امتیازی صفات ہیں لیکن آپ کے ہم عصر اور آپ کے نکتہ چیں "لمحات" کا شکار تھے اور ان میں وہ بصیرت نہیں تھی کہ ایک دانائے راز شاعر کی اندرونی تڑپ کا مشاہدہ کر سکتے۔ تمنائیں جو اصلاً غیر زمانی تھیں "ایک زمانی روپ" اختیار کرنے کے لئے بےچین تھیں۔ آرزوئیں جو بنیادی طور پر غیر مکانی تھیں، ایک مکانی شکل حاصل کرنے کے لئے بےتاب تھیں اور صرف اتنی سی بات تھی جسے دوستوں اور دشمنوں نے ایک افسانے کا روپ دیا اور وہ بات جس کا سارے فسانے میں ذکر نہیں تھا اُسے ساری داستان کی جان بنا دیا گیا۔

آپ کو سیاست سے دلچسپی تھی، بےشک آپ بھی ایک جہانِ خواب کے خواہاں تھے مگر وہ سیاست جو جسم و روح میں تفرقہ انداز ہو، جو حیاتِ انسانی کے آہنگ کو درہم برہم کر دے، اُسے آپ نے کب پسند کیا۔ آپ کا دل سب ہی انسانوں کی بےحسی، ناآشنائی اور نفاق انگیزی پر ملول تھا۔ اور یہی کرب تو کبھی آپ سے یہ کہلوا دیتا ہے:

جس کے پھولوں میں اخوت کی ہوا آتی نہیں
اُس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لوگوں نے اس بات کو تو یاد رکھا کہ آپ نے "وطنیت" کے تصور کے خلاف آواز بلند کی اور کسی [illegible] نے ایسی آواز بلند نہیں کی تھی لیکن اس بات کو شاید بھول گئے تھے کہ افلاک کی سیر میں بھی آپ کو اپنے وطنِ عزیز [illegible] خیال ستاتا رہا اور آپ نے سیرِ افلاک میں اپنے وطن کو ان الفاظ میں یاد فرمایا:

تو نہ دانی خطۂ ہندوستاں   اے عزیزِ خاطرِ صاحب دلاں

آپ کو ہندوستان کی روح مضطرب نظر آئی اور جہاں آپ نے ہندوستان کے سب سے بڑے فرزند "گوتم بدھ" سے فلک کے حسین مناظر میں ملاقات کی وہیں آپ نے وطن دشمنوں کو جہنم کے زیریں حصے میں کرب و اضطراب کے عالم میں پایا اور وطن فروشوں کو ان الفاظ میں یاد کیا:

"ننگِ ملت، ننگِ دیں، ننگِ وطن"

اپنی زندگی کے آخری دور میں بھی آپ نے ہندوستان کو ایک "شوخ کرن"، "شوخ مثال نگہہ حور" کی صورت میں دیکھا اور یہ محسوس کیا کہ:

خاور کی نگاہوں کا یہی خاک ہے مرکز

اہلِ وطن کے نام آپ کا یہ پیغام آج بھی تعمیرِ نو کی کاوشوں میں اُن کا رہنما بن سکتا ہے:

مشرق سے ہو بے زار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

آپ کے اکثر مداحوں اور نکتہ چینوں نے اس بات کو تو یاد رکھا کہ آپ نے روحانی اقدار کی طرف انسانوں کو بلایا لیکن تصویر کے دوسرے اہم رخ کو انھوں نے نظر انداز کر دیا کہ آپ انسان کی مادی ترقی کے مخالف نہیں تھے۔ تسخیرِ فطرت میں سائنس کا جو حصہ ہے آپ اسے خوب سمجھتے ہیں۔ آپ کی خرد آشنا نگاہیں اس کی ضرورت کو اچھی طرح محسوس کرتی ہیں اور آپ مشرق کے صنم خانوں میں اس لئے بیزار ہیں کہ یہاں زندگی کی صرف ایک ہی تصویر کی پرستش ہوتی ہے آپ نے صرف یہ کہا کہ زندگی اعلیٰ تر اقدار و مقاصد کی پابند ہو۔ شاید آپ اس تفریق کے مخالف ہیں جس نے جسم اور روح کے درمیان رخنہ ڈال دیا۔ اسی کو دور کر کے آپ جسم و روح کی ہم آہنگی چاہتے ہیں اور زندگی میں ایک حسین توازن کے خواہاں ہیں۔ آپ نے یہ کب کہا کہ مشینیں نہ ہوں، آپ نے تو یہ کہا تھا کہ مشینیں احساسِ مروت کو کچل نہ دیں۔ آپ کے اکثر مداحوں اور نکتہ چینوں نے آپ کے پیام کے ایک رُخ کو اتنی اہمیت دی کہ دوسرا رُخ ان کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ نکتہ چینوں کو یہ بات یاد رہی کہ آپ نے جمہوریت کو ایک ایسا طرزِ حکومت کہا جس میں بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے۔ لیکن وہ یہ بات بھول گئے کہ آپ نے ہی یہ بشارت دی تھی:

سلطانیٔ جمہور کا آتا ہے زمانہ — جو نقشِ کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

یہ تضاد نہیں تھا بلکہ آپ جمہوریت کی روح کے خواہاں تھے۔ آپ کے نزدیک معاشرے کا سب سے اہم فرض یہ ہے کہ وہ ہر فردِ انسانی کی اعلیٰ ترین روحانی، اخلاقی اور مادی ترقی کے سامان فراہم کرے اور یہی اصل جمہوریت کا منشا ہے۔ آپ نہ صرف یہ کہ اس کے مخالف نہیں تھے بلکہ اس تصور کے بڑے علم بردار تھے۔ آپ یہ چاہتے تھے کہ انسانی ہوس نے جن اعلیٰ تر حقیقتوں کو چھپا رکھا ہے اُن سے پردہ ہٹا یا جائے اور وہ اسرار بے نقاب ہو جائیں۔ مشرق کے دوسرے عظیم شاعر اور آپ کے ہم عصر ٹیگور کی طرح آپ بھی آج کے سائنسی دور کے بٹوارے، اس کی تقسیم و تفریق میں انسانوں کے اتحاد کو ایک برتر و اعلیٰ روحانی تصور میں ہی مضمر پاتے ہیں۔ روح انسان کے سکون کے لئے مادیت کو ایک ارفع و بلند روحانیت سے تب و تاب دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

آج کا مشہور مورخ فلسفی ٹائن بی کم و بیش اسی نتیجے پر پہونچا ہے۔ یہ آپ کی پیش بینی تھی کہ اس کے خطروں سے آگاہ ہو کر آپ نے عصرِ حاضر کے انسان کو اس حکمتِ فرنگ سے آگاہ کیا تھا جو پرستارِ مرگ ہے اور جس کی تیز دستی کے آگے فرشتۂ مرگ بھی دم توڑ دیتا ہے۔ کسی خاص طرزِ حکومت سے زیادہ آپ ایک ایسے انسان کی پیدائش کے منتظر ہیں:

ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالمِ افکار

اور آپ نے ہی یہ بھی تو کہا:

وادیٔ عشق رہِ دور و دراز ست ولے
طے شود جادۂ صد سالہ بہ آہے گاہے

لوگ کہتے ہیں کہ آپ نے عمداً آب و رنگِ شاعری سے گزر کر برہنہ گفتی کو اپنا شعار بنایا کہ بھری دنیا میں آپ کو اپنے "لالۂ صحرا ستم"

ہونے کا احساس ناگوار بنانا پڑے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا یہی "حسنِ لالۂ صحرائی" آپ کا مقصودِ نگاہ نہ تھا جسے آپ انسان کی زندگی میں پھیلانا چاہتے تھے۔

آپ کے بارے میں سب سے زیادہ سمجھا گیا لیکن یہ جو آپ کے فن کی روحِ جمال ہے اُسے بہت کم نے ہاتھ لگایا۔ آپ کے "طاوس و رباب آخر" کی آخریت اور اولیت میں جو فنکارانہ امتزاج ہے اس پر کوئی شاعر نظر نہیں ڈالتا اور گستاخی معاف! آپ کہنے کو چاہے خود "طاوس و رباب آخر" کہہ لیں لیکن حیاتِ جمیل کی یہ منزل اس کا رچاؤ کب آپ کے فن کا ساتھ چھوڑتا اور آج کے اردو ادب میں جو کچھ بھی حسنِ نظر اور رفعتِ خیال ہے وہ آپ ہی کی تو دین ہے۔ وہ جو ایک دنیائے نور و ظلمت آپ کی نگاہوں کے سامنے تھی اس کو اجالے اور خاکستر میں دبی ہوئی چنگاریوں کو شعلہ زار بنانے کے لئے آپ کے بعد کن نغموں میں وہ رسائی اور کون اس ادائے قہاری و دلبری سے یہ آواز دے سکا کہ:

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز
از خوابِ گراں خیز

(۱۹۶۱ء)

--

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصّۂ جدید و قدیم

جو تھا نہیں ہے، جو ہے نہ ہوگا، یہی ہے اک حرفِ محرمانہ
قریب تر ہے نمود جس کی اُسی کا مشتاق ہے زمانہ

سلسلۂ روز و شب، نقش گرِ حادثات
سلسلۂ روز و شب، اصلِ حیات و ممات

سلسلۂ روز و شب، تارِ حریرِ دو رنگ
جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے حیات

سلسلۂ روز و شب، سازِ ازل کی فغاں
جس سے دکھاتی ہے ذات زیر و بمِ کائنات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
ایک زمانے کی رو جس میں نہ دن ہے نہ رات

زمانہ کہ زنجیرِ ایّام ہے
دموں کے اُلٹ پھیر کا نام ہے

برتر از اندیشۂ سود و زیاں ہے زندگی
ہے کبھی جاں اور کبھی تسلیمِ جاں ہے زندگی

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں، پیہم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پوچھ
جُوئے شیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جُوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی

لطیف النساء بیگم ایک صاحب طرز شاعر اور نثر نگار ہیں۔ خصوصاً بچوں کے لئے نظمیں لکھنے میں انہیں بڑی مہارت حاصل ہے۔ انہوں نے اقبال کی وفات پر بچوں کے لئے بچوں کی زبان میں ایک نظم لکھی ہے۔

محسنِ قوم اقبالؔ

بچہ: مری امی جاں مجھ سے کہئے ذرا — یہ تھا کون اقبال جو مر گیا
یہی ذکر ہر صبح ہر شام ہے — جدھر دیکھو اقبال کا نام ہے
بہت یوں تو مرتے ہیں دنیا میں لوگ — نہیں ہوتا لیکن کسی کا یہ سوگ
خبر پڑھ کے اخبار میں موت کی — لگی رونے اس روز تھیں آپ بھی
ہر اک اس کے مرنے سے بے تاب ہے — میں حیراں ہوں امّی یہ کیا بات ہے

ماں: مری جان تھا وہ بڑا آدمی — تڑپ قوم کی اس کے سینے میں تھی
نہ روؤں میں کس طرح اس پر بھلا — وہ محسن تھا پیارے مری قوم کا
بہت اس نے ہم پر کئے ہیں کرم — جنھیں یاد کر کر کے روتے ہیں ہم
یہ تعلیم دی ہم کو اسلام نے — ادا کر دو احسان، احسان سے
تری قوم کا میرے نورِ نظر — ہے خم مرنے والے کے احساں سے سر
ادا اس کے احساں ہوں گے کہاں — مگر یاد رکھے گا ان کو جہاں
اسی سے زمانے میں بس نام ہے — بڑی چیز انسان کا کام ہے
بڑا کام اس نے کیا قوم کا — جو چاہو کہ احساں ہو اس کا ادا
جگہ اس کی لے لو مرے لال تم — بڑے ہو کے بن جاؤ اقبال تم

لطیف النساء بیگم

وجیہ الدین احمد
لکچرر ڈگری کالج جگتیال

اقبال اکیڈیمی

منظر و پس منظر

۱۹۴۸ء کے اواخر سے اقبال شناسی میں ایک تعطل سا نظر آتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ۱۹۴۸ء سے مئی ۱۹۵۷ء تک اقبال کے سلسلہ میں کوئی ایسا یوم یا کوئی ایسا جلسہ نہیں ہوا جسے اقبال کے شایانِ شان سمجھا جاسکے۔ اس کی وجہ غالباً وہ ذہنی جمود تھا جو سیاسی حالات نے طاری کر دیا تھا۔ لیکن اقبال کے چاہنے والوں نے کبھی حوصلہ نہیں چھوڑا۔ "بزمِ فاروق" جو ایک چھوٹی سی مقامی بزم تھی، پیامِ اقبال کو آگے بڑھانے کا کام کرتی رہی۔ اس کی ہفتہ وار محفلوں میں اکثر محفلیں اقبال کے گرد گھومتی تھیں، جون ۱۹۵۰ء میں "بزمِ احباب" قائم ہوئی۔ بزمِ احباب نے اس کام کو زیادہ منظم طور پر شروع کیا اور اکثر شاخوں میں درسِ اقبال کی بنیاد ڈالی گئی۔ ۱۹۵۲ء میں بزمِ احباب کا نام بدل کر تعمیرِ ملت کر دیا گیا۔ اسی زمانہ میں اس کام کو اور تقویت ملی۔ اضلاع اور حیدرآباد میں مختلف شاخوں کے تحت منعقد ہونے والی محفلوں میں کلامِ اقبال پڑھا جاتا اور اقبالیات پر مضامین پیش کیے جاتے تھے۔

۱۹۵۴ء میں عیاذ انصاری، رشید الحسن، اور معین بزمی کی کوششوں کے نتیجہ میں ایک نمائندہ یومِ اقبال اسٹینلی گرلز اسکول میں منعقد ہوا۔

یومِ اقبال ۱۹۵۷ء

اسٹڈی سرکل کل ہند مجلس تعمیرِ ملت کے زیرِ اہتمام ۱۹۵۷ء میں ایک عظیم الشان یومِ اقبال کا انعقاد عمل میں آیا۔ یہ ہندوستان میں تقسیمِ ہند کے بعد پہلا بڑا جلسہ تھا ——— ایک مجلسِ استقبالیہ تشکیل دی گئی۔ جناب بی۔ کشن لال جو اس وقت میئر بلدیہ تھے اس مجلس کے صدر منتخب ہوئے۔ جناب مصباح الدین شکیل معتمد استقبالیہ چنے گئے۔ جناب فیض زبیری کو معتمد نمائش منتخب کیا گیا۔

۱۸ر مئی ۱۹۵۷ء کو یومِ اقبال کا پہلا اجلاس لیڈی حیدری کلب بشیر باغ پر منعقد ہوا جس کا افتتاح جناب بی۔ گوپال ریڈی وزیرِ خزانہ نے کیا۔ اور صدارت جناب پروفیسر محی الدین قادری زورؔ پرنسپل چادر گھاٹ کالج نے کی۔ اس اجلاس میں جناب بی۔ کشن لال میئر بلدیہ نے خطبۂ استقبالیہ پیش کیا۔ مشاہیرِ ہند جیسے ڈاکٹر رادھا کشن نائب صدر جمہوریہ ہند، پروفیسر سید عبداللہ، رام بابو سکسینہ، خواجہ غلام السیدین معتمد مرکزی وزارتِ تعلیم، ڈاکٹر موہن سنگھ دیوانہ، پروفیسر آل احمد سرور اور پروفیسر رشید احمد صدیقی وغیرہ کے پیامات پڑھ کر سنائے گئے۔ اس اجلاس کو صدرِ جلسہ جناب محی الدین قادری زورؔ کے علاوہ ڈاکٹر یوسف حسین خان صدر شعبۂ تاریخ جامعہ عثمانیہ، ڈاکٹر ظہیر الدین الجامعی، پنڈت ونشی دھر ودیالنکار اور جناب بی۔ گوپال ریڈی نے مخاطب کیا۔ اسی شام

نواب مہدی نواز جنگ وزیر تعمیرات نے نمائش اقبالیات کا افتتاح کیا۔ اس نمائش کے لئے حیدرآباد کے مختلف کتب خانوں میں موجود اقبالیات پر ذخیرہ اکٹھا کر کے پیش کیا گیا۔ اس کے علاوہ ملک کے ممتاز مصوروں کی بنائی ہوئی بیسیوں تصویریں اور مرقعے بڑے ترتیب و سلیقہ سے سجائے گئے تھے۔ یہ نمائش جو ابتداء میں صرف دو روز کے لئے منعقد کی گئی تھی، تیسرے روز بھی جاری رہی اور ایک اندازے کے مطابق ۱۲ ہزار سے زیادہ افراد نے اسے دیکھا۔

دوسرا اجلاس ۱۹ر مئی کو بصدارت جناب ڈاکٹر یوسف حسین خان صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں پروفیسر ڈاکٹر غلام عمر خاں، ڈاکٹر عالم خوندمیری، ڈاکٹر حفیظ قتیل، ڈاکٹر راج کشور پانڈے لیکچرار ہندی جامعہ عثمانیہ اور ڈاکٹر مغنی تبسم نے فکر انگیز مقالے پیش کئے۔ صدر اجلاس جناب ڈاکٹر یوسف حسین خان کی بصیرت افروز تقریر نے نوجوانوں کے آئندہ عزائم کو مہمیز کیا۔

یوم اقبال ۵۸ء کی عظیم الشان کامیابی سے سرشار نوجوانوں نے یہ محسوس کیا کہ مطالعۂ اقبال کے اس سلسلہ کو نہ صرف جاری رکھنے کی بلکہ اس میں وسعتیں پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ یہاں یہ بات واضح کر دینا ضروری ہے کہ ان سب کامرانیوں کے پیچھے جناب سید خلیل اللہ حسینی صاحب صدر کل ہند مجلس تعمیر ملت کی حرکی شخصیت اور ان کے مشورے و ہدایتیں رہی ہیں۔

اقبال اکیڈمی حیدرآباد کا قیام

حیدرآباد میں اقبال شناسی اور اقبال فہمی کی ان کوششوں کے نتیجہ میں اس بات کی ضرورت محسوس کی گئی کہ اس کام کو منظم انداز میں جاری رکھنے کے لئے ایک علیحدہ ادارہ کا قیام عمل میں لایا جائے۔

چنانچہ ۲۸ر جون ۵۹ء کو اقبال اکیڈمی کا باضابطہ قیام عمل میں آیا۔ جناب ڈاکٹر عالم خوندمیری اس اکیڈمی کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اس تاسیسی جلسہ کی صدارت پروفیسر عبدالمجید صدیقی سابق صدر شعبہ تاریخ جامعہ عثمانیہ نے فرمائی۔ ڈاکٹر ظہیر الدین احمد الجامعی اور سید خلیل اللہ حسینی نے مخاطب کیا۔ پروفیسر ڈاکٹر عالم خوندمیری کے دورِ صدارت میں دو مرتبہ وسیع پیمانے پر یوم اقبال اور اس کے ساتھ نمائش اقبالیات کا انصرام عمل میں آیا۔

صدی تقاریب ۱۹۷۳ء

مئی ۱۹۷۳ء میں عظیم الشان پیمانے پر اقبال صدی تقاریب کا انعقاد عمل میں آیا۔ ڈاکٹر رحیم الدین کمال صدر استقبالیہ نواب میر احمد علی خاں، سید وقار الدین، محترمہ باتمیس علاؤالدین نائب صدور، عبدالقادر عمادی معتمد اور جناب غلام یزدانی معتمد مالیہ کمیٹی چنے گئے۔

صدی تقاریب کا پہلا اجلاس نمائش میدان میں افضل العلماء مولانا عبدالوہاب بخاری کی صدارت میں ۱۱ر مئی ۷۳ء کو منعقد ہوا۔ جس میں ڈاکٹر رحیم الدین کمال نے خطبۂ استقبالیہ پڑھا۔ عبدالقادر عمادی نے مشاہیر کے پیامات اور دیگر ادبی ادارہ جات کے جذبات خیرسگالی پیش کئے۔ ڈاکٹر غلام دستگیر رشید اور جناب رحیم قریشی نے مخاطب کیا۔ اوج یعقوبی، خواجہ شوق، سید شہیدی، پرنس نقی علی خاں ثاقب، ڈاکٹر غیاث صدیقی اور نواب محمود علی خاں ثاثر و نے منظوم خراجِ عقیدت پیش کیا — ادبی اجلاس ۱۲ر مئی کو صبح ۱۰ بجے نمائش کلب میں جناب جگن ناتھ آزاد کی صدارت میں منعقد ہوا۔ ڈاکٹر حفیظ قتیل، نقی علی مرزا، ابوالفیض سحر، ڈاکٹر راج کشور پانڈے، احمد نائب صدری آفاقی، ڈاکٹر ڈی وینکٹ اودھانی،

ڈاکٹر لیس آر ملکمنی نے مقالات پیش کئے۔ تیج نارائن جیسوال اس اجلاس کے کنوینر تھے۔

دوسرا اجلاس عام ۱۲ مئی کو رات ۸ بجے نمائش میدان میں منعقد ہوا۔ جس کی صدارت جناب سید خلیل اللہ حسینی صدر اکیڈیمی نے کی۔ اس اجلاس کو جناب صدر کے علاوہ ڈاکٹر محمد مصلح الدین صدیقی، جناب سلیمان سکندر، عبدالقادر عمادی، ڈاکٹر راج بہادر گوڑ، اور کے۔ یل۔ مہندرا نے مخاطب کیا۔ نواب محمود علی خاں ماٹرو، شاذ تمکنت، رئیس اختر، عثمان علی ضیاء نے نظمیں پیش کیں۔ اس اجلاس کی معتمدی کے فرائض کریم رضا نے انجام دئے۔

"اقبال اور عصری تقاضے" کے عنوان پر ایک سمپوزیم ۱۳ مئی کو صبح ۱/۲-۱۰ بجے انوار العلوم کالج میں منعقد کیا گیا جس کے کنوینر منیر احمد خاں (مرحوم) تھے۔ سید سراج الدین، پروفیسر صلاح الدین، ڈاکٹر رحیم الدین کمال، سید خلیل اللہ حسینی، اختر حسن، اور ڈاکٹر مغنی تبسم نے مقالات پیش کئے۔

اسی مقام پر اسی روز رات میں ۸ بجے محفل یادِ اقبال منعقد ہوئی۔ ڈاکٹر غلام دستگیر رشید نے صدارت کی۔ اس جلسہ کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ان اصحاب نے تقاریر کیں جنھوں نے اقبال کو دیکھا یا سنا تھا۔ پروفیسر سید محمد (مرحوم)، اختر حسن، سید سجاد مرزا، ڈاکٹر یوسف علی خاں، میر حسن اور ذکی الدین صدیقی نے مخاطب کیا۔ خیرات ندیم، ناصر کرنولی، فیض الحسن خیال، صلاح الدین نیر، نذیر علی عدیل، راز عابدی اور عبدالحلیم نے منظوم گل ہائے عقیدت نچھاور کئے۔ اس محفل کے کنوینر محمد منظور احمد تھے۔ اس سلسلہ میں نمائش کلب میں مخطوطات، مطبوعات پر مشتمل ایک نمائش بھی ترتیب دی گئی۔ جس کا افتتاح ۱۱ مئی کو ۱/۲-۵ بجے شام عمل میں آیا۔ جناب ایس کے سنہا آئی اے یس نے افتتاح کیا۔ جناب نریندر لوتھر آئی اے یس نے صدارت کی۔ سعید بن محمد نقش نے ایک موثر تقریر کی۔ اس نمائش کے کنوینر جناب خواجہ محمد احمد سابق ناظم محکمہ آثار قدیمہ تھے۔ جناب وقار الدین ایڈیٹر رہنمائے دکن نے انعامات تقسیم کئے۔

۱۴ مئی ۱۹۷۵ء رات ۱/۲-۸ بجے تہذیبی پروگرام پیش کیا گیا جس کی کنوینر ڈاکٹر رشید موسوی تھیں۔ فائن آرٹس اکیڈیمی کے فن کاروں نے ساز پر کلام اقبال پیش کیا۔ اس طرح یہ چار روزہ تقاریب اختتام کو پہنچیں۔

اقبال اکیڈیمی کا رجسٹریشن

مارچ ۱۹۷۲ء میں اقبال اکیڈیمی کے دستور کی تدوین کی گئی اور پبلک سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ ۱۳۵۰ف کے تحت اس ادارہ کو رجسٹرڈ کروایا گیا۔ دستور کی رو سے اقبال اکیڈیمی کے مقاصد حسب ذیل قرار پائے۔

۱۔ افکارِ اقبال کی اشاعت

۲۔ ایسے نظریات کی تحقیق جن پر فکرِ اقبال مبنی ہے

۳۔ علمی و ادبی شعور کی نشوونما

ان مقاصد کے حصول کے لئے اقبال اکیڈیمی حسب ذیل پروگرام کے تحت اپنی مساعی جاری رکھے ہوئے ہے۔

۱۔ ہر ماہ محفلِ اقبال کا انعقاد

۲۔ ہر سال اپریل/نومبر میں سمپوزیم یا سیمینار کا انعقاد جس میں ماہرین اقبالیات اقبال کے فکر و فن پر مقالے پیش کرتے ہیں۔ ان اجتماعات میں ہندوستان کے اہل علم کے علاوہ پاکستان، برطانیہ، امریکہ اور روس کے اسکالرس نے بھی حصہ لیا۔

۳۔ طلباء اور نوجوانوں کے لئے درسِ اقبال کا انتظام۔ اس سلسلہ میں مختلف مواقع پر جاوید نامہ، اسرار و رموز کے متنی مطالعہ (TEXTUAL STUDY) کے لئے درسِ اقبال کی کلاس کو پروفیسر صلاح الدین، پروفیسر غلام دستگیر رشید، پروفیسر عالم خوندمیری اور جناب محمد ظہیر الدین احمد نے مخاطب کیا۔

۴۔ مختلف مواقع پر طلباء اور طالبات کے لئے تحریری و تقریری مقابلوں کا انصرام۔

۵۔ اقبالیات کے مطالعہ کو فروغ دینے اور اسکالرس کے استفادہ کے لئے ایک کتب خانہ کا قیام عمل میں لایا گیا جہاں اقبال کی حیات، فکر و فن، رسائل، خطوط اور تصاویر کا ایک قابلِ قدر ذخیرہ جمع ہے۔

۶۔ سہ ماہی رسالہ اقبال ریویو پابندی کے ساتھ اشاعت پذیر ہو رہا ہے۔ جس میں نئے زاویہ ہائے نظر سے لکھے جانے والے مقالے اور تحقیقی مضامین کئے جاتے ہیں۔ اقبالیات پر اب تک ۱۲ کتابیں اقبال اکیڈمی نے شائع کی ہیں۔

صدی تقاریب

۱۹۷۷ء میں نہایت عظیم الشان پیمانے پر اقبال صدی تقاریب منائی گئیں۔ جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ نواب کاظم نواز جنگ (علی پاشاہ) صدر، حامد علی عباسی، عابد علی خاں اور غلام یزدانی نائب صدور، ساغر ملک معتمد، نواب غلام عمر خاں صدر مالیہ کمیٹی اور سید مظہر الحق قادری، ڈاکٹر عالم خوندمیری، ڈاکٹر صفدر علی بیگ، تیج نارائن جیسوال وغیرہ وغیرہ پر مشتمل مجلسِ استقبالیہ نے ان تقاریب کی عملی صورت گری میں شبانہ روز کوششیں کیں۔

۹ر نومبر ۱۹۷۷ء کو ۶ ساعت شام نمائش کلب میں افتتاحی اجلاس منعقد ہوا۔ جی رام ریڈی امیر جامعہ عثمانیہ نے صدارت کی اور شریمتی شاردا مکرجی گورنر آندھرا پردیش نے تقاریب کا افتتاح کیا۔ جناب آصف پاشاہ وزیر قانون مہمان خصوصی تھے۔ اس اجلاس کو علی سردار جعفری، عابد علی خاں، غلام یزدانی اور ظہیر الدین نے مخاطب کیا۔

اسی روز رات ۸ بجے سیکڑوں، کتابوں، رسائل، تصاویر پینٹنگ پر مشتمل نمائش کا بدست نواب شاہ عالم خاں افتتاح عمل میں آیا۔

"اقبال اور عصریت" کے موضوع پر ۱۰ر نومبر ۷۷ء کو صبح دس بجے نمائش کلب میں سمپوزیم کا انعقاد عمل میں آیا۔ جس کی صدارت پروفیسر وحید الدین خاں صدر شعبہ فلسفہ نے کی۔ ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد، ڈاکٹر عالم خوندمیری، جناب تقی علی مرزا، جناب سراج الدین اور ڈاکٹر انور معظم نے تقریریں کی۔

"شعر و آہنگ" کے موضوع پر سمینار کا اجلاس اول اسی مقام پر ۲½ بجے دن شروع ہوا جس کی صدارت ڈاکٹر جگن ناتھ آزاد نے کی۔ ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر سیدہ جعفر، ڈاکٹر مغنی تبسم، ڈاکٹر یوسف سرمست، اور جناب مضطر مجاز نے مقالے پیش کئے۔ اس سمینار کے کنوینر یوسف اعظمی تھے۔

۱۱ر نومبر کو ۶½ ساعت شام نمائش کلب میں اجلاس عام منعقد ہوا۔ جناب سید خلیل اللہ حسینی صدر اکیڈمی نے صدارت کی۔ علی سردار جعفری، ڈاکٹر غلام دستگیر رشید، مولانا عباس رضوی، جناب سلیمان سکندر، اور بیرسٹر سردار علی خاں نے شرف تخاطب حاصل کیا۔ ارمان فاروقی اور جمیل حسن کاظم نے منظوم خراج عقیدت پیش کیا۔ جناب سید لطیف الدین قادری (مرحوم) نے اقبال صدی تقاریب کے سلسلہ میں منعقد کئے جانے والے مختلف مقابلوں میں اول و دوم آنے والے طلباء و طالبات کو انعامات عطا کئے۔

۱۲ر نومبر ۱۹۷۷ء کو صبح دس بجے سروجنی دیوی ہال رام کوٹ میں سمینار کا دوسرا اجلاس بعنوان " اقبال کی مذہبی اور فلسفیانہ فکر" منعقد ہوا ۔ ڈاکٹر عالم خوندمیری نے صدارت کی ۔ مقالہ نگاروں میں ڈاکٹر مغیث قتیل، ڈاکٹر رحیم الدین کمال، ڈاکٹر صفدر علی بیگ اور یوسف اعظمی شامل تھے ۔

اجلاس سوم " اقبال کی سماجی اور سیاسی فکر" پر ۲/۱ ۳ بجے دن شروع ہوا ۔ جس کی صدارت علی سردار جعفری نے کی ۔ ڈاکٹر ضیاء الدین شکیب، جناب احسن علی مرزا اور مصلح الدین سعدی نے مقالات پیش کئے ۔

اسی رات ۹ بجے سروجنی دیوی ہال میں کنج بہاری لال صاحب کی صدارت میں مشاعرہ منعقد ہوا ۔ جناب کے وی کیشولو وزیر ہینڈلوم مہمانِ خصوصی تھے ۔ اس مشاعرہ میں جناب علی سردار جعفری، جناب جگن ناتھ آزاد کے علاوہ مقامی شعراء نے اپنا کلام سنایا ۔

اقبال ایوارڈ

۱۹۸۵ء سے اقبال ایوارڈ کے سلسلہ کا آغاز کیا گیا جو اقبالیات میں قابلِ قدر خدمات انجام دینے والے اہلِ علم اصحاب کو دیا جاتا ہے ۔ پہلا ایوارڈ حیدرآباد کے ممتاز اسکالر اور ماہر اقبالیات پروفیسر ڈاکٹر غلام دستگیر رشید کی خدمت میں پیش کیا گیا ۔

اقبال اکیڈیمی نے جو کام انجام دیا ہے اسے ہند و بیرونِ ہند کے ماہرینِ اقبالیات نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے لیکن اقبال شناس جانتے ہیں کہ بہت سے کام ابھی باقی ہیں ۔ اقبال اکیڈیمی کا یہ احساس ہے کہ ایسے افراد تیار ہوں جو دورِ جدید کے تقاضوں کے پس منظر میں اقبال کو سمجھ سکیں اور اس کی دانشِ نورانی کے امین بن سکیں ۔

حیدرآباد میں اقبال پر تحقیق، تصنیف اور تراجم

اقبال اکیڈیمی اقبال کے پیام کو عام کرنے کے لئے کام کر رہی ہے لیکن اس کے علاوہ مختلف اہلِ علم اصحاب نے ۱۹۴۸ء کے بعد اس سلسلہ میں قابلِ قدر کام کیا ہے ۔ چنانچہ ڈاکٹر غلام عمر خاں نے اقبال کے تصورِ خودی پر ڈاکٹریٹ کیا ۔ پروفیسر عالم خوندمیری کے پی ۔ ایچ ڈی کا مقالہ " اقبال کا تصورِ زماں " تھا ۔ حال ہی میں ڈاکٹر ساجدہ ادیب نے " اقبال اور جوشوا رائیس کے تقابلی مطالعہ پر ڈاکٹریٹ کیا ۔ جناب مضطر مجاز نے مثنوی پس چہ باید کرد، جاوید نامہ اور ارمغانِ حجاز کا اردو منظوم ترجمہ کیا ہے ۔ اس کے علاوہ نواب سید محمود علی خاں ٹامڑد نے اقبال کے سارے اردو کلام کو انگریزی میں منظوم کیا ہے لیکن یہ انگریزی تراجم شائع نہیں ہو سکے ۔ اس کے علاوہ حیدرآباد سے اقبالیات پر جو کتابیں شائع ہوئی ہیں اس کی فہرست علیحدہ دی گئی ہے ۔

ہمارا دیس

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا — ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم رہتا ہے دل وطن میں — سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا — وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں — گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا

اے آبِ رودِ گنگا وہ دن ہیں یاد تجھ کو — اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا — ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے — اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری — صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں

معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

۱۰ اگست ۱۹۰۲ء — اقبال

The famous song "Sare Jahan se Accha Hindustan Hamara" in Iqbal's own writing.

Sar-e Jahan se Accha Hindustan Hamara

—:oOo:—

(This famous song) has a history behind it. The youngmen's Association of Lahore celebrated its first anniversary in 1903 and the famous revolutionary and patriot genius of India, the late Har Dayal sponsored it, He acquired a paper on 'The problem of India' from Swaml Rama Thirtha-the poet monk of the Punjab, who was then touring the United States of America to be read there in the meeting and he asked Muhammad Iqbal to compose a poem in Urdu to be sung at the inauguration of the annive rsary and Iqbal wrote his "Hindustan Hamara" for the occassion, which in the opinion of Ramsay Macdonald, had by 1910 become the national anthem of the whole ofIndia.

Essay Writing Competitions

HIGH SCHOOL GROUP :

1. BUSHRA SULTANA — Girls High School, Shah Ali Banda.
2. FATIMA ASRA — Peace Angels High School, Murad Nagar.

COLLEGE GROUP :

1. AMIRULLAH KHAN — Osm. Univ. College of Eng.
2. MOHAMMED RAHMATULLAH — Nizamia Tibbia College.

P. G. GROUP :

1. SAFDER IMAM QUADRI — Bihar Univ. Muzaffarpur.
2. ANSARI SHAHINA M. MUSTAFA — M. S. G. College, Malegaon.

SYED MANSOOR SHAH
Secretary
Essay Writing Compititions

Elocution Competitions

HIGH SCHOOL GROUP :

1. BARKATH ALI KHAN — Madrasa-e-Aizza
2. ARSHIA IQBAL — Jyothi Bala Mandir High School.

COLLEGE GROUP :

1. P. HARISH — Osm. Univ. College of Eng.
2. AMIRULLAH KHAN — Osm. Univ. College of Eng.

POST GRADUATE GROUP :

1. RAFAT SEEMA — Women's College.
2. WASEEMUNNISA — Women's College.

MOHD. NASIRUDDIN AQEEL
Secretary

Quiz Competitions

HIGH SCHOOL GROUP :

1. FAREESA NAUSHEEN & SEEMA TAZEEM — St. George's Girls Grammar School.
2. MOHD. ABDUL QUADEER & MOHD. SHUJAUDDIN — Govt. H. S. Petla Bridge.

COLLEGE GROUP (Boys)

1. AMIRULLAH KHAN & T. BHASKAR RAO — Osm. Univ. College of Eng.
2. MANSOOR AHMED & MOHD. ISMAIL — Nizamia Tibbia College.

COLLEGE GROUP (Girls)

1. ZEHRA JABEEN — Nizamia Tibbia College.
2. SAMEENA SULTANA — Nizamia Tibbia College.

POST GRADUATE GROUP :

1. SYED ABBAS & SALMAN ABID — Arts College, O. U.
2. MASROOR SULTANA & WASEEM UNNISA BEGUM — Women's College, O. U.

RAHMAT YOUSUF ZAI
Convener
Quiz Competitions.

48.	Amtul Karim	IQBAL KI QAUMI SHAIRI	1983

Publications of IQBAL ACADEMY

49.	Nawab Syed Mehmood Ali Khan Tyro Translator.	SHIKWA	1973
50.	Dr. Raheemuddin Kamal	Centenary Reception Adress	1973
51.	Karim Raza and Mazar Lateefi Compiler	IQBAL KA ZEHNI SAFAR	1979
52.	M. Muslehuddin Sadi & M. Zaheeruddin Compiler	IQBALIAT-E-MAJID	1979
53.	M Zaheeruddin Compiler	Three Articles of IQBAL	1979
54.	M. Muslehuddin Sadi Compiler	IQBALIAT-E-BAQUI	1980
55.	Muztar Majaz Translator	JAVEDNAMA	1981
56.	Iqbal	SHIKWA & JAVAB-E-SHIKWA	1981
57.	Abdul Haleem Translator	MASJID-E-KHARTABA	1981
58.	M. Muslehuddin Sadi Compiler	CHASMA-E-AFTAB	1982
59.	Syed Shakeel Ahmed	IQBAL NAI TAHQEEQ	1984
60.	M, Zaheeruddin Compiler	IQBAL KASHISH aur GUREZ (Dr. ALLAMS Articles)	1985

30.	Dr. Zaheeruddin Al Jamai	IQBAL KI KAHANI	1952
31.	Dr. Rafia Sultana	IQBAL-E-SUKHAN	1953
32.	Dr. Gulam Omer Khan	ROOH-E-ISLAM IQBAL KI NAZAR MEIN	1964
33.	Dr. B. Gopal Reddy	IQBAL KAVITALU Telugu	1964
34.	Abu Abdullah Mohammad	IQBAL ISLAMI PAS-E-MANZAR MEIN	1965
35.	Dr. Gulam Omer Khan	IQBAL KA TASSVUR -E-KHUDI	1966
36.	Syed Ibrahym Nehri	HAZRATIQBAL KA NA-TIYA KALAM	1968
37.	Dr. Gulam Omer Khan	IQBAL KA TASSVUR-E-ISHQ	1973
38.	Ashfaq Hussain	IQBAL aur INSAN	1974
39.	Muztar Mujaz Traslator	TULU-E-MASHRIQ	1974
40.	Qadeer-Imtiaz	IQBAL aur ARMATE-E-ADAM	1976
41.	Dr. Gulam omer Khan	AURAT IQBAL KI NAZAR MEIN	1977
42.	Muztar Majaz Translator	AZMUGHAN-E-HIJAZ	1977
43.	Dr. Alam Khund Mir Dr. Moghni Tabbasum	FIQR-E-IQBAL	1977
44.	Aqeelur Rehman Aqeel	NAZR-E-IQBAL	1977
45.	Dr. Noori	Dr. IQBAL SE ADAB KE SATH	1978
46.	Mir Vilayat Ali	TABVEEB-E-KALAM-E-IQBAL	1979
47.	Sajida Adeb	Iqbal as a phiiiosopher	1982

13.	Mohammed Kamal Khan Compiler	IQBAL KA QURANI PAYAM	1940
14.	Dr. Yousuf Husain Khan	ROOH-E-IQBAL	1942
15.	Mohiuddin Quadri Zor Compiler	SHAD IQBAL	1942
16.	Mustaq Ahmed Chisti Compiler	IQBAL'S Letters to Jinnah	1943
17.	Dr. Raziuddin Siddiqui	IQBAL KA TASSVUR-E-ZAMAN-O-MAQAN	1944
18.	Dr. Gulam Dastagir Rasheed	ASAR-E-IQBAL	1944
19.	Dr. Mir Valiuddin	RUMUZ-E-IQBAL	1944
20.	Syed Abdul Wahid Moini	IQBAL 'Art and thought'	1944
21.	Inamullah Khan Compiler	PresidentialAddress 1930	1944
22.	Ashfaq Husain	MAQAM-E-IQBAL	1845
23.	Dr. Gulam Dastagir Rasheed	FIQR-E-IQBAL	1945
24.	Do	HIKMAT-E-IQBAL	1945
25.	Shaghal Faqri	TASSAVURAT-E-IQBAL	1945
26.	Hasan Al Azami	Life & Death in Iqbal's philosophy	1946
27.	Aziz Ahmed	IQBAL, NAI TASHKEEL,	1947
28.	Bazm-e-Iqbal	MURRAQQA-E-IQBAL	1948

AFTER 1948.

29.	Mohammad Ahmed Khan	IQBAL KA SIASI KARNAMA	1952

APPENDIX

(Publication of Books on Iqbal from Hyderabad)

BEFORE 1948

1.	Abdul Razzak Rashid Compiler.	KULYAT-E-IQBAL	1923
2.	Agha Syed Mohammed Ali	IQBAL (a paper in persain)	1928
3.	Mir Hasanuddin Translator	Development of metaphysics in persa	1936
4.	Tassuduq Hussan Taj Compiler:	NAZM-E-IQBAL	1937
5.	Khaja Hameeduddin Shahid and Sahebzade Maikash Compiler,	SABRAS Iqbal Number	1938
6.	Dr. Abdul Haq Editor	URDU IQBAL number	1938
7.	Tassuduq Hussin Taj Compiler	NAZM-E-IQBAL an visit to Hyderabad	1938
8.	Do Compiler	NAZM-E-SIPAS Janab Ameer	1938
9.	Do Compiler	TABARRUQAT-E-IQBAL	1939
10.	Abu Zafar Abdul Wahid	MATA-E-IQBAL	1939
11.	Abu Mohammad Musleh	QUR'AN aur IQBAL	1940
12.	Mir Hasanuddin Translator	KHATM-E-NABUAT aur QADIYAANIAT	

Allama Iqbal, the Patriot, was not a nationalist, just as he was religous and not communal. He strongly felt that the brand of nationalism preached in the West was akin to communalism and racism. In the name of nationalism, poeple were being fed with the propaganda that their nation was the supreme one and that all others were at a far lower level and thus deserved to be ridiculed. Love for one's own Nation was being preached at the cost of hatred for others. This narrow-minded outlook infuriated Allama Iqbal's nature and his poetry now was aimed towards condemning narrow minded nationalism and cheap communalism.

Allama Iqbal was not content with mere political independence for India. Instead, he aimed for a total revolution, which would make true the dream for a better India. Independence, merely political, was not the goal, India had to be freed of it's various cultural, moral, economic and societal evils. Allama Iqbal's patriotism called out for a revolution that would shake away all prevailing ills and recreate the destiny of India. A politically independent country is not enough. For India to have acheived true freedom, the poor ought to have been helped, the depressed consoled, the oppressors punished and the society as a whole, transformed.

Allama Iqbal, in his last years was particularly worried about India's future. Often he would fret and ponder over the situation existing then. He contented that love for the motherland need not be a obstacle to love for the whole world. Only that man can love his country truly who can love all mankind without reservations. Allama Iqbal extended his full support to any patriotic gesture. When the 'Swadeshi Movement' was launched 'Allama Iqbal very vehemently supported it. He also was very stern with the traitors. Allama Iqbal chose the infamous characters of Mir Jaffer and Mir Sadiq, the trators, to educate the people against betrayal of one's own motherland. In 'Javid Namah' 'Allama Iqbal potrays the wretched condition of these two trators as grovelling, suffering creatures whose life ought to serve as an example to others.

Such a practical patriotic approach to nationalism is seldom seen. Allama Iqbal, the genius that he was, rose above the earthly definitions of Nationalism and propagated a holier and cleaner patriotism which is the secret to any nation's success. His love for the India of his was immense. His dream of a glorious future is still unreached. It is a duty we own to this great man, we the Indians of today, that we strive to reachthe degree of freedom and emacipation, from casteism communalism, trechery and oppression, that was preached by this great patriot of India.

Allama Iqbal and National Awakening

AMERULLAH KHAN
B. E. III Osmania University

"From the pages of Indian history, is it ever possible that the name of that personality is removed, who has composed the great poem 'Sare Jahan se achha Hindustan Hamara'? "These words of Subhash Chandra Bose, in praise of Allama Iqbal, speak volumes about the love Allama Iqbal had for his country and it's people. India was the 'Motherland' for Allama Iqbal, and he loved his country immensely. It is a common misconception that Allama Iqbal was not at heart very patriotic, but if we were to analyse carefully, it is obvious that, even though Allama Iqbal had rejected the diseased concept of Nationalism as preached in the west, he was indeed a great Patriot! Tarana-i-Hindi', 'Naya-Shivala', 'Himalay', and a host of other poems testify to the fact that Allama Iqbal's concern for his country was indeed immense and that he loved India with all his heart.

In an age infested with the evils of colonial imperialism, racism, oppression and tyranny, Allama Iqbal was born and he started writing his poetry in such a polluted atmosphere. He had already sensed the in effectiveness of the prevalant style of poetry, and quickly developed a rebellious and realistic style of his own which radiated confidence' optimism and dyanamism. As a younger man, full of enthusiasm and zest, Allama Iqbal was deeply moved by the utterly deplorable condition the country was subject to. This sincere concern paved the way for a tirade against not only the tyrannical government but also the dormant and passive populace. The love for his country and the urge to gain independence resulted in some very inspered poetry-writting by Allama Iqbal. 'Parinday ki Fariyad' and 'Tasveer-i Dard' are two gems of literature which were written with a great deal of concern and involvement.

In his first spell of poetry-writing, Allama Iqbal's verses were characterised by emotional poetry directed against Colonialism and served as a lesson to the poeple to forget internal differences and the distasteful communal and casteist feelings. The message of Allama Iqbal for the oppressed Indians was to shake off apathy, shun indifference and rise against subjucation and tyranny. In the atmosphere then prevailing in India, Allama Iqbal's works provided the much needed impetus to the freedom struggle.

While in Europe, Allama Iqbal has witnessed the misguided and incorrect concept of nationalism which was being propagated with missionary zeal. And the greater disappointment was that the East was very readily gobbling up this dangerous and narrow minded concept, which had overflown from the political field into nearly every faculty of human activity. This process was threatening to destroy World Brotherhood and was out to create trivial boundaries between men. Because of this, Allama Iqbal, during his stay in Europe, grew very disillusioned and disappointed with the idealogy, culture and society of the west. He saw that Societal structure in the West had totally crumbed and had fallen to such depths that there was very little of kindliness and humanity left. The weak were always at the wrong end of the stick and oppression was the order of the day. ,Might is right' was the adopted motto and the poor, wretched nations of the world were being looted at will and without any qualms.

and the Indian Muslims in particular, as amongst its prime victims. Thus the Zarb-i Kalim is intended to rescue the Muslims from modern civilization, just as the blow struck by Moses with his staff saved the children of Israel when they found themselves trapped between Pharoah's army and the Red Sea. The collection has been described as Iqbal's 'Political manifesto'.

Zarb-i Kalim is a collection of ghazals and other poems of various lengths:

85. Armaghan-i Hijaz
The Gift From Hijaz

This work' published in November 1938' a few months after the author's death, is a fairly small volume containing verses both in Persian and in Urdu. It is incomplete, although this is not readily apparent to the reader; for Iqbal left some gaps in the book which he intended to fill when he made the pilgrimage to Mecca. He had long wished to undertake the journey to the Hijaz (the Arabian Peninsula) to perform the religious obligation of the Haji or pilgrimage to Mecca, and to visit the tomb of the Prophet Muhammad at Medina; but was prevented from doing so by continuous illness during the last years of his life. Iqbal began composing the Armaghan as a gift to take to the Hijaz, intending to publish it on his return to India as a Gift from the Hijaz for his fellow-countrymen.

(Extracts from Allama Sir Muhammad Iqbal' a Publication of British Musium publications Ltd edited by Q.M. Haq and M.I. Waley)

11. MUSAFIR
The Traveller

In October 1933 Iqbal visited Afghanistan as a guest of King Nadir Shah. The poet had been invited along with Sayyid Sulayman Nadwi and Sir Ross Masood (Ras Mas'ud) to visit Kabul and to advise the Afghan Government on a programme of educational reforms for his country. Having completed this assignment Iqbal travelled in Afghanistan, visiting places of historical interest such as Ghazni and Qandahar. On his return to Lahore he published his impressions in a short masnawi poem entitled Musafir, which appeared in 1934, and is usually printed in a single volume with the poem Pas chi bayad kard?

12. BAL-I JIBRIL
Gabriel's Wing

In his preface to Bang-i dara Shaykh 'Abd al Qadir had expressed the hope that Iqbal would follow it up with another book of Urdu verse before long. In the event more than ten years passed before the poet published his second Urdu collection, Bal-i Jibril, which appeared in 1935. Originally he named the book Nishan-i manzil ('A Pointer to the Destination'); but he then renamed it, excising the former title from his manuscript. The ten years' delay was not without its compensations, for Bal-i Jibril contains the finest examples of Iqbal's Urdu verse.

The Bal-i Jibril includes Iqbal's Urdu compositions written since the publication of Bang-i dara. Some of these were written during his three foreign trips in 1931–33, when the poet visited Britain, Egypt, Italy Palestine, France, Spain, and Afghanistan. The collection is testimony to the richness of Iqbal's thought and expression, in which he employs the style and form of ghazal in a most inspiring manner, to guide the Muslims to a life of faith and action.

13. Pas chi bayad kard ay aqwam-i Sharq?
What then is to be done, O Peoples of the East?

This, the last of Iqbal's Persian MASNAWI poems, was published in 1936, two years before his death. His health had declined abruptly in early 1934, and for the remaining years of his life Iqbal suffered almost continually from serious illness. This he bore with great fortitude, and there was no weakening in heart or pen. Pas chi bayad kard? contains the most detailed exposition by Iqbal of his practical philosophy in regard to socio-political questions and the problems of the eastern world arising from the ascendancy of western civilization.

14. Zarb-i Kalim
The Blow of Moses' Staff

This, the third collection of Urdu poems by Iqbal, was first published in May 1936. As is evident from its sub-title: Plan-i jang dawr-i hazir ke khilaf (,A Declaration of War against the Present Times', (the collection is concerned with the modern age and its problems. Modern civilization in its extreme form is godless and materialistic, lacks love and justice, ane feeds on the subjugation and exploitation of weaker peoples. Iqbal regards the Muslim,

ZABUR-I 'AJAM displays the versatility, inventiveness and stylistic maturity of the poet, who is said to have considered them to represent the best of his Persain poetry. In an Urdu couplet Iqbal says:

If you have taste then in your free time read Zabur-i 'Ajam;
In midnight lamentation there is no lack of secrets.

9. The Reconstruction of
Religious Thought in Islam

In December 1928 and January 1929, at the invitation of the Madras Muslim Association Iqbal delivered a series of lectures on Islam at Madras, Hyderabad (Deccan) and Aligarh. These were published at Lahore in 1930 as Six Lectures on the Reconstruction of Religious Thought in Islam. Subsequent editions appeared (Oxford, 1934, etc) under the above abbreviated title and included a seventh lecture, Is Religion Possible? In these talks Iqbal set himself the task of renewing the intellectual foundations of Islamic philosphy in a manner suited to the intellectual and spiritual climate of the modern age, and of meeting the challenge of western, largely materialist, thought on its own ground so far as this was possible in discussing a philosophical system based on divinely revealed principles.

10. JAVIDNAMA
The Book of Eternity

Widely regarded as Iqbal's magnum opus, the Javidnama is a long religious philosophical masnawi poem containing almost 2000 couplets in all. It was first published in 1932, many years after its predecessors, the Asrar and Rumuz. In the Javidnama Iqbal's poetical powers are displayed at their height and his intellect at its full maturity. This poem touches on new subjects as well as questions discussed in his earlier works. Besides referring to the eternal realms, the title of Javidnama also indicates that the author named the poem for his younger son Javid', An 'Address to Javid' intended also as advice to Muslim youth in general, forms a postscript to the poem.

The poem describes a spiritual journey from this world to the heavenly spheres of the Moon, Mercury, Venus, Mars, Jupiter and Saturn and thence beyond the bounds of created existance to the Divine Presence. The principal inspiration for this must have been the Mi'raj-the celestial journey of the Prophet Muhammad as described in the Qur'an and the Hadith (Islamic Traditions). The Sufi master Ibn al-'Arabi (1165-1240) also composed an account of his own Mi'raj in his work al-Futuhat al-Makkiyya (Meccan Revelations). Modern scholarship has indicated that these sources provided much of the conceptual foundation for the DIVINA COMMEDIA of Dante Alighieri (1265-1321).

poems have often been published as a single volume under the tittle 'ASRAR U RUMUZ'. An English translation of the poem by A. J. Arberry appeared in 1953. The 'RUMUZ – I BIKHUDI gained still wider repute for the author, and his appeal to Pan-Islamic sentiments met with an enthusiastic response amongst the Muslims of the subcontinent and elsewhere.

6. PAYAM-I MASHRIQ
Message of the East

According to the author's preface, the Payam-i Mashriq, which appreared in 1923, was written as a respone to the Westostlicher Diwan, a collection of poems published almost exactly a century earlier in 1819 by the German poet and philosopher Goethe (1749-1832), who was strongly influenced by oriental thought and greatly admired Persain poetry. In Iqbal's view the conditions prevailing in the East were comparable to those obtaining in Germany during Goethe's time: a state of national decline. Writting after the First World war, he perceived that the peoples of Europe were working towards a dynamic revival of western civilization; while the Islamic nation, remaning in subjection, continued to stagnate and to fall apart. The situation could not, as he saw, be remedied unless changes could be brought about in the inner life of the individual as well as in the state of society. Iqbal composed the poems which comprise the Payam-i Masriq in order 'to attempt to put forwad moral, religious and national truths related to the inner education and development of individuals and nations'.

7. BANG-I DARA
The Caravan Bell

Although Iqbal's repution and popularity as a great Urdu poet had spread throughout India, all the three collections he had published so far had been in Persain. At last in response to persistent request from his friends, and from admirers of his Urdu poetry, Iqbal published the BANG-I-DARA in 1924. It includes most of his Urdu compositions until 1923. The introduction was written by Shaykh 'Abd al-Qadir, an old friend of Iqbal and a former editor of the literary magazine Makhzan, in which many of his earliet poems had been printed. The collection was accorded a warm welcome and remains to this day the poet's best-selling work.

8. ZABUR-I 'AJAM
Persain Psalms

In 1927 Iqbal published this further large collection of Persain poems The author's declared object was to instil new spirit into the world, and especially amongst the young and the peoples of the East; hence the reference in the title to the divinely inspired songs of David. In the prayer with which the book begins, Iqbal asks of God: 'Illumine my dust with the light of David's song'. Written during a period of intense literary and political activity, the

3. STRAY REFLECTIONS

This work, initially entitled Stray Thoughts, was Iqbal's first major compilation on his return from Europe. It was Published posthumously in 1961, and contains notes and impressions on themes to be elaborated in his later works. According to Javid Iqbal, the author's son, who edited and published the book, he started writing it on 27 April 1910 and, after several months, 'stopped for some unknown reason'.

The contents are mostly short paragraphs' in a simple yet forceful style. The topics discussed are art, religion, including Islam and some of the problems confronting Muslims, philosophy, both Eastern and Western, science, history, politics, political ideas and institutions, education and literature. Several entries provide information about the author :

4. AFSAR-I KHUDI
Secrets of the Self

This, the first of Iqbal's major poems on religious philosophy, was published in 1915. In a letter to the poet Girami dated 13 July 1914 Iqbal wrote that he was working on the poem and that 'so far as the ideas expressed are concerned, this masnawi is something competely unprecendented in eastern or western literature'. According to R. A. Nicholson, whose translation of the poem appeared in 1920, 'On its first appearance the Afsar-i khudi took by storm the younger generation of Indian Moslems'.

In the Asar, Iqbal emphasizes the importance of the ego and its selfaffirmation ; he belives that the morality of the individual and of the nation are determined by the answer they give to the question : 'what is the nature of the ego? 'This emphasis is intended in part to counter balance a certain tendency in oriental thought and spirituality to stress the unitary point of view, from which the individual self exists only upon an illusory plane. Iqbal considered that this was the major cause of the fatalistic passivity which characterized the Muslims and other eastern peoples, resulting in the decline in their religious values and cultural and political fortunes during recent centuries at the expense of those of the West.

5. RUMUZ-I BIKHUDI
Mysteries of Selflessness

Iqbal's second major philosophical essay in Persian verse, entitled 'Rumuzi- i - bikudi (Mysteries of Selflessness), was published in 1918. Its principal themes are the relationships beween the individual, the community, and mankind; and the nature of the ideal community and its ethical social principles as based upon the teachings of Islam. Although open-minded and ready to praise the merits of other divenly revealed religions, Iqbal, who was a devout Muslim, insisted upon the pre-eminence of Islam. The 'RUMUZ' was clearly intended as a necessary complement to the individualistic doctrines of the 'ASRAR - I KHUDI', and the two

IQBAL'S WRITINGS

1. 'IIM AL-IQTISAD
   The Science of Economics

Iqbal's first book was a treatise on economics, entitled 'Ilm al-iqtisad, written on the sugggestion of his teacher, Thomas Arnold, and published in 1903.

This is one of the very earliest full-length Urdu books on the subject. The answers suggested by Iqbal to a number of serious problems then facing India may be equally valid today, such as the establishment of a system of 'national education' to improve the works skills, adaptability, confidence and character; and controlling the growth of population etc.

The 'Ilm al-iqtisad defines economics, its importance, and relationship with other subjects; then deals with the production of wealth; and expenditure, consumption and population.

2. The Development of
   Metaphysics in Persia :
   A Contribution to the History
   of Muslim philosphy

Muhammad Iqbal's thesis on The Development of Metaphysics for the degree of Ph.D. at the University of Munich in 1908 was published in London the same year. This presents an outline of the metaphysical thought of the Iranian people from Zoroaster to Baha'ullah. It continues to be a useful book as no other monograph study of its kind has since appeared in English.

In his introduction he says:

a) I have endeavoured to trace the logical continuity of Persain thought, which I have tried to interpret in the language of modern philosophy. This, as far as I know, has not yet been done.

b) I have discussed the subject of Sufisim in a more scientific manner, and have attempted to bring out the intellectaul conditions which necessitated such a phehomenon. In opposition therefore, to the generally accepted view I have tried to maintain that Sufism is a necassary product of the play of various intellectual and moral forces which would nessarily awaken the slumbering soul to a higher ideal of life.

The great success of the Iqbal day sparked off the latent potential in the youth. It prompted many to think on the lines of organizing sustained efforts to keep the torch burning that was lighted by Iqbal. It did not take long for their ideas to materialize. The Iqbal Academy was founded on 28th June 1959. Dr. Alam Khundmiri was elected as its first President. Since then Iqbal's messages is being propagated in an organized manner, So far the academy has conducted more than a thousand seminars, symposia, extension lectures and monthly meetings. Iqbal centinery was celebrated in 1973 which was attended by many eminent scholars from all over the country. Again in 1977 Iqbal centinary was celebrated on an even larger scale which Included a grand exhibition on the poet's entire life.

The academy brings out Iqbal review a quarterly journal which has gained considerable importance in and out of the country. Beside the academy has published 10 books so far on different aspects of "Iqbaliat".

This International Iqbal seminar is a gigantic leap toward more advanced fields in the scholarship of this greatest genius of the East———Iqbal.

The object of my Persain Masnavis is not to attempt Advocacy of Islam Mv real purpose is to seek a better social order and to present to the world a universally acceptable ideal (of life and action), but it is impossible for me, in the effort to define this ideal, to ignore the social system and values of Islam whose most Important objective is to demolish all artificial and pernicious distinctions of caste, creed. colour and Economic Status. Islam is violently opposed to the idea of racial superiority which is the greatest obstacle in the way of International unity and co-operation, infact, Islam and racial exclusiveness are absolutely authentic.........

I have chosen the Islamic Community as my starting point not because of any national or religious prejudice but because it is the most convenient way to approach the problem.

—IQBAL

Prime Minister of Hyderabad. Messages of His Highness Sir Agha Khan, Pandit Jawaharlal Nehru, Mrs. Sarojini Naidu, Sir Sikandar Hayat Khan, Nawab Hameeduallah Khan of Bhopal, Justice Manoharlal, Rabindernath Tagore, Sir Mirza Ismail and a host of other prominent figures were also read.

The first "Iqbal Society" was also founded in Hyderabad. It was named as BAZM-E-IQBAL. Hyderabad Deccan. The peculiar "Court politics" did not permit many eminent scholars to come openly to teach and preach to the masses. A few who had the urge to ameliorate the condition of the masses took shelter under the banner of luterature. One such courageous person was Nawab Hasan Yar Jung.

The Muslim cultural society which celebrated Iqbal day during his life time became almost dormant in due course. The need to propagate Iqbal's message gained greater attention which resulted in the foundation of Bazm-e-Iqbal during November 1938. The Bazm did some spade work but none that can be recorded. Nawab Hasan Yar Jung was inducted as President in 1940. The dynamic personality of this frail and "touch me not" type of noble of the Paigah revolutionized the Bazm and made it a strong hold from where Iqbal's message was disseminated. Branches of the Bazm were opened in all the districts of Hyderabad state and also in Bombay and Lucknow. Public meetings, symposia, extension lectures, opening of reading rooms and libraries were the vehicles that were exploited to achieve the aims of the Bazm. The greatest achievement of the Bazm was to publish books on Iqbal's philosophy and peotry. MURRAQA-E-IQBAL (Iqbal pictorial) and life and death in Iqbal's Philosophy (Persian) are the two very important books among its publications.

Apart from organized efforts, like the Bazm-e-Iqbal, other individuals were also keenly interested in this important work. It is evident from a large number of books that were published from Hyderabad. (An upto date list of the books is appended which is in no way exhaustive.) Beside Nawab Bahadar Yar Jung started textual study of Iqbal's verses at his residence "Baitul-Ummat" and also at near by Mosque which was continued till his sudden death in 1944.

After Hyderabad joined the Indian Union in 1948 a gloomy atmosphere reigned for quite some time. During this period very little work was done that too by a few individuals. Yet it did not take long for the courageous students of Iqbal to turn this insipid atmosphere into a dynamic one.

On 18th and 19th of May 1957 "Iqbal day" was celebrated under the auspices of All India Majlis-e-Tameer-e-Millat at Lady Hydri Club, Hyderabad. Sessions were held for two days which were attended by Mr B. Gopal Reddy the then Finance Ministers and other eminent scholars like Dr. Yousuf Hussain Khan. Dr. Gulam Dastagir Rasheed. An exhibition on Iqbal with over a thousand books on his works, about six thousand Magazines and periodicals in Urdu English and other venaculars that contained articles on Iqbal, many portraits and paintings attracted a huge crowd for three days.

Who will paint love so faithfully in its colour now?
The master archer gone, who will lodge the delicious dart in the hearts of men?

Iqbal appeared on the poetical horizon during the last decade of the past century. His earliest public apperance in a Mushaira (poetical sypomsium) was at the house of Hakim Aminuddin inside Bhati gate, Lahore, where once he was complimented by Arshad Gurgani the famous Urdu poet. His first poem was published in "Maqzan", brought out by the eminent jurist Sir Abdul Khader, a little later but his fame travelled to all the corners of the Indian penisula. Many Editors started approaching him for his verses. A few were obliged. His poetry was read and recited with great pleasure and in many cases preserved in private collections. Here again Hyderabad was the first and foremost. The fact that an officer of the Hyderabad Government has brought out a beautiful collection of the early poems of Iqbal styled as Kulyat-e-Iqbal comprising Urdu verses, with an authoritative introduction, extending over 136 pages in wel-knit prose, well before Iqbal himself published his Bang-e-Dara, speaks volumes about the position Iqbal held. He was loved, nay he enjoyed the enviable affection of the Hyderabadis.

This love and affection was not a one way tarffic. Hyderabad held a special place in Iqbal's heart. As stated before Hyderabad historically, geographically, culturally and above all politically had a unique place in the Indian peninsula. Iqbal was well aware of it. This fact coupled with the great love of the people of Hyderabad prompted him to look at this dominion with great hopes and visit the state three times [1] between 1910 and 1929. He has written to Atiya Begum in his letter dated 30th March 1910 —"My visit to Hyderabad had some meaning which I shall explain to you when we meet". [2]

what actually Iqbal had in mind is not known as neither Atiya Begum nor any other scholar has dealt with it. Yet it can be safely surmised that he has no material gains in his mind as is evident from the later developments.

Iqbal delivered two extension lectures on "Reconstruction of religious thought in Islam at Town Hall Public Garden, Hyderabad on 15th and 16th January, 1929, for which he was specially invited by Osmania University. The first session was presided over by Maharaja Sir Kishan Prashad and at the second Sir Ameen Jung was in chair.

On 26th November 1935 a lecture was delivered by Maulana Moulvi Syed Hashimi on"Iqbal". The occasion was the 36th meeting of the Hyderabad open center poetry society for which Iqbal has sent a message in the form of a poem "to a poet" which was rendered in English by professor E. E. Spreight for the meeting. The meeting was held at Sir and Lady Tasker's residence.

That Hyderabad was first to recognize the poetic genius of Iqbal is further elucidated by the fact that the very first "Iqbal day" was celebrated in Hyderabad in his life time. The day which was celebrated with extra- ordinary pomp and grandeure on 7th January 1938 was presided over by none other than the prince of Berar Nawab Azam Jah Bahadur, the crown prince and addressed by many eminent personalities including Sir Akbar Hydri,

1. According to Mr. S. A. Wahid, Iqbal visited Hyderabad during 1920 or 21 also as reported by Mr. Ahmed Mohiuddin Razvi. This statement is yet to be substanitiated. See Naqsh-e-Iqbal by S. A. Wahid P: 272 , 73
2. Iqbal by Atiya Begum.

Wajeehuddin Ahmed
Lecturer,
Govt. Degree College,
Jagtial.

IQBAL AND HYDERABAD

Look at the map of India. If the whole of the Indian peninsula be regarded as an ocean then Hyderabad under the Nizam, a princely state, extending diagonally from Aurangabad to Khammam and Adilabad to Raichur looked like an island. It was actually a peaceful and safe island in the tempestuous political ocean of India. The peculiar composite culture of Hyderabad made it so very different from the rest of India that there was a continuous influx of Indians, particularly from the north, to this dominion in search of better opportunities. It was this unique position of Hyderabad that prompted Fani, the famous Urdu poet to say—

Fani it is the revelation to me that to be in the Deccan
Is to live in India yet away from India.

Afte r the "sad demise" of the courts of Delhi and Lucknow Hyderabad was the only court and Hyderabadis the only people that extended patronage to all forms of Arts and Artists and literature and literateurs. Yet the patronage extended by Hyderabadis was quite different from the traditional one. Here the people could evaluate the work and if it had really any merits then only it was given due recognition. Mere composition of odes or praises or sheer flattery could fetch nothing, from both, the ruler and the ruled It is this quality of Hyderabadis that prevented any Firdausi or Zauq from entering into this state or to survive here.

At the end of the nineteenth century when Iqbal, the passionately religious and devout poet started singing of many things from simple daily events to metaphysics and Philosophy, Hyderadadis, sooner than others, realised that he is speaking to the consciences of men of good will. Though he was speaking from the Punjab yet he belonged to all places and all races. They came forward to honour this great poet of the East and placed him on the pedastal he deserved.

Iqbal's contact with Dagh Dehlavi is a good starting point to trace his relation with Hyderabad Deccan. As a beginner he needed a master of Urdu poetry to correct his verses. In those days Dagh was acclaimed a poet par excellence. He was the poetical preceptor of Nawab Mir Mahbub Ali Khan the ruler of Hyderabad. Young poets from other provinces sent him poems for corrections. Dagh maintained a poetical secretariate for this purpose. Iqbal also sent a few verses for correction. Dagh was very much impressed by the poeticial genius he could discern in Iqbal's poetry and soon wrote back that there was little room for correction in his poetry. He lived long enough to see Iqbal's country wide popularity. Both the teacher and the pupil were proud of the relationship though it was for too short a period. Dagh often used to refer with pride to the fact that he had corrected Iqbal's poems. Iqbal wrote a very compassionate elegy on the death of his first master in poetry.

Javidnama (1832), Musafir (1934), Bal- jibril (935), Paschi bayad kard ay aqwam-i Sharq? (1936), Zarb-i kalim (1939), and Armaghan-i Hijaz (1938), the last-mentioned being published posthumously. The poet also wrote a number of textbooks on history and liteature, and was Knighted in 1923.

While he showed little enthusiasm for practical politics until the mid 1920s, Iqbal was an untiring advocate of India's freedom and, during the last decade of his life, particularly anxious to safeguard the poltical future of his fellow muslims. With the success of the independence movement imminent, he was deeply disurbed by the worsening nature of Indian society. To him India was was Asia in miniature, populated by various religious groups who, have shown no inclination to sink their repective individualities in a larger whole'. Thus the only peaceful solution to the communal problem lay in a territorial redistribution of India on 'the lines of radial, religious and linguistic affinities'. These ideas, eleborated by Iqbal in his Presidential Addrees to the Allahabad session of the All- India Muslim League in December 1930,and again in his letters to Muhammad Ali Jinnah during 1936-7, for the Muslims demand for the creation of Pakistan.

Iqbal married three times, and had two sons and two daughters. He was never a rich man,and lived modestly throughout his life. He always made himself avaliable to many visitors who came to see him to enjoy his company and his instructive and illuminating conversation. He died on 21 April 1938 aftea prolonged illness. His mausoleum. just outside the Badshahi Mosque in Lahore, is a place of pilgrimage which attracts visitors from all parts of the world.

The philosophy of Iqbal is a philosophy which puts all its trust in man in whom it sees the holder of infinite possibilities, capable of changing himself, because man is essentially a creator.

—Miss Luce Claude Maitre

6

Allama Sir Muhammad Iqbal
A Biographical Sketch

Q. M. HAQ
M.I.WALEY

Iqbal was born at Sialkot in the Punjab on 9 November 1877, of a deeply religious family. He received his primary and secondary education in the town of his birth and began to compose poetry at a very early age. He was fortunate in having among his teachers Mawlawi Sayyid Mir Hasan, an eminent scholar of Arabic and Persian, who was quick to recognise the talents of his gifted pupil and gave him every possible encouragement. At that time Nawab Mirza Khan Dagh was acknowledged as a great master of Urdu peotry and many young poets from all parts of India sent him their works for his comments and correction. Iqbal decided to follow suit, but soon afterwards Dagh replied that there was little scope for any revision in his poems!

In 1895, Iqbal moved to Lahore and joined the Government College where he studied for his BA and MA degrees. Whilst there he became a favourite student of professor (later Sir) Thomas Arnold, who introduced him to the literature and philosophy of the West. In 1899, Iqbal obtained his Master's Degree in Philosophy, and won a gold medal for heading the list. The next year also brought him fame when he recited his poem Nala-yi yatim ('The Orphan's Cry') at the annual meeting of the Anjuman-i Himayat-i Islam ('Society for the Support of Islam') For the next five years he taught Arabic, history, political economy, phliosophy and English in Lahore at the University Oriental College and Government College. At the same time he gained further recognition as a leading Urdu poet.

In 1905 Iqbal went to Europe for three years. He studied philosophy at Cambridge, then took a doctorate from Munich on 'The Devlopment of Metaphysics in Persia'; and then was called to the Bar at Lincoln 's Inn. These years (1905-8) were significant in the development of Iqbal's thought and philosopy, through his studies, his acquaintanceship with Western thinkers, and his observation of Europeaen society. He developed a strong opposition to the concept of narrow, geographical nationalism, which he saw as the fundamental cause of politicial conflicts and disasters looming over Europe. He was equally repelled by the materialistic outlook of much of modern Western civilization; nonetheless, he did not fail to acknowledge its positive aspects. Apart form his admiration for its literature, he was particularly impressed by, and often praised, the Western zeal for action and struggle, so much so that he resolved to dedicate his life to the regeneration of his own people by restoring them to the path of Islam and a life of action and sacrifice.

With this programme in mind the poet returned to India in 1908, and joined the staff of Governement College in Lahore ; but resigned after some time, preferring the greater freedom of legal practice as a means of earning his living. He had already published a treatise on economics entitled ·Ilmal-iqtisad, (1903) before going to Europe. His doctoral thesis had also been published in Europe in 1908. Now he began a series of publications aiming to promote the regeneration of Eastern peoples in general, and of Muslims in particular. These include : Asrar-i khudi (1915). Rumuz-ibikhudi (1918). Payam-i Mashriq (1923), Bang-i dara (1924,) Zabur-i Ajam (1927), Six Lectures on the Reconstruction of Religious Thought in Islam (1930),

TRIBUTES TO IQBAL

(On his Death)

"The death of Sir Muhammad Iqbal creates a void in our literature that, like a mortal wound will take a very long time to heal. India, whose place to-day in the world is too narrow, can ill afford to miss a poet whose poetry had such universal value".

—RABINDRA NATH TAGORE.

"The passing away of Sir Muhammad Iqbal means the disppearance of one of the brightest stars from the literary firmament of India. Besides being a front-rank poet and litterateur, Sir Muhammad Iqbal was a unique personality. The loss we have suffered through his sad demise will be felt all over the country.

"Latterly he held political views with which many of us could not find ourselves in agreement, but never did anybody question the sincerity of his views.

"In this hour of silence all controversy is hushed and we bow our hearts in reverence for one of the great sons of Mother India. His memory will ever remain enshrined in the hearts of his countrymen through such songs as Sare Jahan se Achhachha Hindustan Hamara."

—Subhas Chandar Bose.

"I have been deeply shocked to hear the news of the death Sir Muhammad Iqbal, whom I met only two months ago in Lahore. One of the greatest living poets of the world, he was a master craftsman in Persian and Urdu poetry and for the last thirty years I have admired him as a poet and a thinker of the first magnitude. India loses in him a great poet and a man of rare culture. My deepest sympathies are with his family."

—Rt. Hon'ble Sir Tej Bahadur Sapru.

"I have learnt with deep sorrow of Sir Muhammad Iqbal's death. Only a short while ago, I had the privilege of having long discussion with him as he lay on his sick bed and his keen intelligence and love of Indian freedom impressed me deeply. By his death India loses a bright and scintillating star, but his great poems will keep his memory fresh in the minds of coming generation and inspire them."

Pandit Jawahar Lal Nehru.

" Though the earth may enshrine the precious dust of Sir Muhammad Iqbal's body, his imperishable genius will shine through the ages in undimmed beauty and splendour. My profound homage to his memory."

—Mrs. Sarojini Naidu.

How sad to think that Iqbal is no more. Modern India could not produce a greater Urdu poet. His Persian poetry too has a place of its own in modern Persian literature. It is the loss of the East, not of India alone. Personally I have lost an old friend."

—Maulana Abul Kalam Azad

asylum, even hell refused them the refuge. The hell did not agree to pollute its flames with the bodies of such ignoble creatures.

In the trans-Heaven region, the poet meets Bhartrihari' the great Sanskrit poet, who explains to him the purpose of poetry, and when Iqbal mentions to him the perturbation of the Indians, he gives a message which is the essence of the teachings of the Bhagavad Gita :

These gods are nothing, they are of bricks and stones.
He is great who is away from the temple and the mosque,
Worship without action is dry and inconclusive,
Life is all action, whether good or evil.
I divulge to you a secret yet unknown to most,
Happy is he, who engraved it on his heart's tablet.
This world which you see is not the creation of God alone,
This entire factory with all its components, is yours.
Bow before the law of retribution of actions
The heaven, hell and purgatorio all emanate from action.,

When Iqbal meets Tipoo Sultan in the Royal Palaces, Tipoo gives him a living message for River Kaveri, which is to him better than the Tigris and the Euphrates. Therein he narrates the philosophy of life and death. For free people, death is but a stage, and at every stage they are endowed with a fresh life :

When he meet Ghani, a Kashmiri Persian poet, he is exhorted to join the struggle against imperialism and there we find references to the sacrifices of the Nehru family in the cause of India :

'These lively scions of the Brahmin family,
The red tulip feels shy before their ruddy faces.
Far-sighted, experienced and hardy they are,
Britain is perturbed with their very look.
Their origin is from our land
And the dawn of these stars is our Kashmir:'

In Iqbal's later work, 'What should be done, O Nations of the East" he laments the disunity among the Indians :

In the Asrar-u-Rumuz, be gives a beautiful dialogue between the Ganges and the Himalayas wherein he pleads for observing old traditions of a nation to keep the nation alive :

In the Zarb-i-Kalim, the last book of his life, he prophesies that India provides hope of the entire world. In his posthumous work, Armughan-i-Hijaaz, he has openly preached to throw the British idol and smash it as it is no use taking your needs to it'

Iqbal sprang up in the realm of Indian poetry as a bard of India and even after so many vicissitudes in his career when he left this earth on 21st April, 1938, he remained a truly patriotic poet of India.

'Sword Arm of India'. The tragedy of Jallianwala Bagh in Amritsar and the atrocities perpetrated in the whole of the central Punjab got the feeling tribute from the poet :

'The garden-dust proclaims to every pilgrim,
Be aware of the revolutions of the sky.
This tree is watered with the martyrs' blood.
You should not be stingy in offering tears to it.'

When the national struggle for Independence under the leadership of Mahatma Gandhi was in its full swing and the top-most leaders like Motilal Nehru, Ajmal Khan and Mahatma Gandhi were put behind the prison, Iqbal said :

'Every bird is not nourished by nature
To suffer the toils of captivity.
The crows and vultures are never encaged,
This honour is only for the hawks and falcons.'

JAVID NAMEH

On the lines of Dante's 'Divine Comedy,' Iqbal wrote a long poem, the 'Javid Nameh' in which the poet visits various heavens in the company of his spiritual teacher, Maulana Rumi, the great mystic poet of Iran. The poet goes to the Moon and contacts the Indian god, Shiva, and gets this glad tidings from him that a new dawn was in the offing in the East. The progress of man lies in the synthesis of the spiritual East and the material West. In the 'Valley Yarghameed,' a fictitious name, he comes across the tablets of Buddha, where a dancing girl embraces Buddhism after understanding its beauties. In Saturn, the poet meets Ja'far from Bengal and Sadiq from Deccan the two mean souls who have been guilty of treason against India:

The two traitors are in a boat hopelessly tossed about by a tempest in a sea of blood. At this juncture, the 'Soul of India' appears chain and halters of slavery:

'The sky burst assunder ushering in a grateful hour
Who as she lifted the veil off her face,
Displayed a forehead aflame with divine splendour,
And two eyes beaming with intoxication of divine love.
Her raiment was of material lighter then the clouds,
With warp and woof provided by the veins of rosepetals.
With all these charms her lot but chains and shackles.
And on her lips naught but heart-rending moans.
Rumi said : "Look this is the soul of Hindustan,
The bitterness of her moans will affect any heart.,,

These stirring lines manifest Iqbal's concern for the freedom of India. The soul of India complains to him about the indifference of the people, who attach importance to idle superstitions and rotten shibboleths but fail to pay attention to the vital problems of life and the country.

The two traitors, Ja'far and Saddiq, give a pitiable description of their condition, and a climax is provided in their tale when they mention, that when thay went to in search of an

IQBAL'S TOUR OF EUROPE

In 1905, Iqbal went to Europe and stayed there for three years, studying at Cambridge and Munich. There he saw that the European nations were insincere and running a mad race for superiority. European nations in general and the British in particular, were exploiting Asia and the Muslim countries for their own benefit. By pitching one Muslim country against the other, they were strengthening their own strangle-hold. As a result, Turkey, which used to fight battles in the European fields, became the 'sick-man of Europe'. The Ulemas there had tabooed the translation of the Qur'an in any foreign language. Iran was under the thumb of Britain and Russia, and this political dyarchy, economic depression and the despotic influence of the Mullas brought the country to the verge of extinction, which could later be rescued by the zealous efforts of Reza Shah Pahalvi only. Afghanistan was so much immersed in ignorance and orthodoxy that there was no hope of its resuscitation. Egypt was under the control of the British, and in Sudan, Lord Kitchener had buried the Mahdi for good. France held sway over Algeria and Tunisia and Morocco was fast losing her independence. The Algiers were in the iron-grip of the Dutch. These pitiable plights of the Muslim countries made Iqbal morose and thoughtful and in his view, unless all Muslim countries were strung together with the common spiritual thread of Islam, they were liable to be doomed.

The critics of Iqbal drew misconceived conclusions from his ideas of pan-Islamism and labelled him as a communalist, little realising that it was during this very period that he composed some of his best songs which have national and patriotic bearing. 'The Song for the Indian Children' refers to the message of unity given by Guru Nanak and Mu'inu-Din Chishti. It was India where the Vedic songs were sung and from where the Prophet of Islam got the bracing balmy breeze. The poem on the demise of the youthful vedantist, Swami Rama Tirtha, is full of Indian philosophical sentiments.

Nationalism, according to Iqbal, should not be determined according to the territorial jurisdiction of a country, but it should be based on surer foundations of spiritual integrity.

RETURN FROM EUROPE

After his return from Europe, Iqbal preached pan-Islamism on the lines of Jamalu'd-Din Afghani and saw that the international affairs were fraught with frightful dangers. He said that Europe was then perched on the mouth of a volcano, which could bring destruction to the entire civilized world. The First Great War verified his apprehensions.

SITUATION IN INDIA

The victory of the Allies in the First Great War was celebrated throughout the length and breadth of India. A big poetical symposium was held in the Bradlaugh Hall of Lahore under the presidentship of Sir Michael O'Dwyer, the then Lieutenant-Governor of the Punjab, Iqbal sang a Persian song on the 'Divine allotment', in which all countries that partcipated in the War, got their share of booty, but India was allotted only the 'name of God :

Martial Law in the wake of the Rowlett Act was the tangible reward for the Punjab which provided the largest number of combatants to the Allies in war and which was known as the

Dr. Hiralal Chopra
M. A., D. Litt.

IQBAL AND INDIA

A study of Iqbals' poetical works in Urdu and Persian shows that he was an ardent patriot wishing well for the country as a whole and not for the religious community alone to which his fourth or fifth ancestor had joined. He takes pride in India and her culture, and never loses an opportunity to express the same:

(1) 'I am an idol-worshipper in origin with ancestors idolatrous, Philosophy is ingrained in my very nature.'

(2) 'Look to me and you will not find another like me in India, Who is of Brahmin descent yet well-acquainted with the philosophy of Maulana Rumi and Shams-i-Tabriz.'

(3) 'My body is a flower from the paradise of Kashmir, With a heart from Arabia and a tongue from Shiraz.'

He started his poetic career with a patriotic poem on the Himalayas' in which he addresses the great 'Sentinel of India' to recite to him some legends of the past glory of his great country:

HINDUSTAN HAMARA

His 'Hindustan Hamara' has a history behind it. The Youngmen's Indian Association of Lahore celebrated its first anniversary in 1903 and the famous revolutionary and patriot-genius of India, the late Har Dayal sponsored it. He acquired a paper on 'The Problems of India' from Swami Rama Tirtha-the poet-monk of the Punjab, who was then touring the United States of America, to be read there in the meeting, and he asked Muhammad Iqbal to compose a poem in Urdu to be sung at the inauguration of the anniversary. Iqbal wrote his 'Hindustan Hamara' for the occasion, which in the opinion of Ramsay Macdonald, had by 1910, became the national anthem of the whole of India. In this beautiful poem, Iqbal exhorts India to return to its pristine glory and greatness. In Indian tradition the difference in faith is no bar to national unity and forstering of harmony':

GAYATRI MANTARA

Immediately after the composition of 'Hindustan Hamara', Iqbal translated into Urdu verse the Gayatri Mantra of the Hindus, and prefixed it with a long illuminating explanation appreciating it from the Muslim's point of view, which be speaks of Iqbal's intense and probing love of Indian classics so as to bring closer to each other the Hindus and Muslims on the bases of their religious scriptures and cultural traditions. In his poem, Taswir-i-Dard, he reminds his countrymen that many a nation has suffered extinction on occount of internal conflicts due to their difference in faith, and it is but proper that all should think about the country as a whole and not about a particular state or community. In his Story of Adam, he was not oblivious of his country where Adam declares that he sang the 'Song Celestial' in India.

Mr. SHAMSUR REHMAN FAROOQI

Mr. Farooqi is a well known critic. He is among the herolds of modren terneds in urdu litrature. His monthly Journal 'Shab Khoon' has served the cause of modernism to a considerable extent. He is the author of a number of books and papers. Receatly he has turned his attention towards Iqbal and has written quite a few paper on Iqbal's diction, metarphors and forms employed by Iqbal which bear their own importance in Iqbal studies.

Prof; ALE AHMED SUROOR

Director Iqbal Institute Kashmir University Srinagar

Al-e-Ahmed Suroor was professor and head of department of Urdu at Muslim University Aligarh. He is a well known critic. His books are inculded in the syllabi of many Universities. He has published many books, Tanqeed kiya Hai Nai chragh purane chargh etc.

Mrs. Irina Maksimankov A Russian scholar and a devout student of Iqbal studies.

Prof. Abdul Raoof Urooj : Author of 'Iqbal and Bazm-I Iqbal, Hydearbad'

Dr. Jamil Jalibi : Vice Chancellor of Karachi University, Pakistan. (Author of many books among which Masnawi Kadam Roa Padam, Arastu se Eliot tak, and Tareekh-e- Adab-I Urdu are most outstanding.)

Dr. Abdul Sattar : Prof. of Urdu Bombay University.

Mr. Mamnoon Hasan Khan : Chairman Bhopal Development Authority. A close Associate of Dr. Sir Mohammad Iqbal.

Prof. Nisar Ahmed Farooqui : Professor of Arabic, Delhi University. Author of many books and papers.

Mr.K.K, Mohiuddin : An Industrialist and business man of Madras. Yet a keen student of Economics.

Dr. Gian Chand Jain ; Professor and Head, Department of Urdu, University of Hyderabad. Author of many booke and papers.

Prof. Syed Sirajuddin : Retd. Professor of English Osmania University. (A devout Student of Iqbal studies.

Dr. Anwar Moazzam : Professor of Islamic studies, Osmania University.

Dr. Moghni Tabassum : Professor of Urdu at University of Hyderabad.

Dr. MuJawir Hussain Razvi : Professor of Urdu at the University of Hyderabad.

Dr. Abdul Khader Imadi : Professor of Sociology at Anwar ul Uloom College.

Mr. Zaheeruddin Ahmed : An Electrical Engineer by profession, yet a keen student of Literature. His speciality is Iqbliat.

Mr. Yousuf Azmi : Lecturer of English at Anwar ul Uoom.

Prof. MOHAMMED SHAKEELUR RAHMAN

Born 81th feb. 1931. Motihari Champaran, Bihar
M. A. D.Litt (Patna University)
Vice Chanceller, University of Bihar from 1978-80
Visiting Professor Aligarh Muslim University Aligarh
Publications:
Laway ka Samunder, Ghalib ki ja malyat
Iqbal.Roshni ki jamalyat
Ye-Batain Hamaryan
Iqbal aur fanoon-e-lateefa
Adbi qadrain aur nafsiyat
Faiz Ahmed Faiz ki shairi
Nai Farhad

Prof. JAGANNATH AZAD

Professor/Head Department of Urdu University of Jammu
Bron December 1918.
M. A. Persian
Publication; Iqbal aur uska ahd 1960,
Iqbal aur maghribi musanifin 1976
Iqbal aur Kashmir 1977,
Murraqqa-e-Iqbal 1977.
Fikr-e-Iqbal ke baz aham pehlu 1982
And many others.

Prof: ASLOOB AHMED ANSARI

Born Delhi March 1925
M. A. (Alig) B. A. Hons (oxon)
Professor, Dept. of Eglish, Muslim University Aligarh
Pudlications:
Viliam Blake (English), Adab aur tanqueed
Naqsh-e- Galib, Iqbal ki terah nazmein
Napsh-e- Iqbal, Iqbal Essays studies
Awards; Urdu Academy (U.P.) Award
Meer Taqi Meer Award, Sahitya Academy Award
Sardar Pakistan gold medal

Prof. GOPICHAND NARANG

Prof. of Urdu, Jamia Millia Islamia, New Delhi.

Born January 1st, 1931
B.A. (Hons) 1948
M.A. Urdu 1954
Ph. D. 1958.
Honours in Persian 1958.

Books Published ;
Urdu ki Taleem ke Lisani Pehlu, 1960 Adabi Tehreeren. 1965 Maushurat, 1968 Hindustani Qisson se Maakhuz Urdu Masnawiya, 1962 Imlanama 1974 Iqbal Jamia ke Mussarrifeen ki Nazar men 1979. Urdu Afsana Rivayat aur Masil, 1981 Iqbal ka fun 1983 and a lot of other books and papers.

Dr. ABDUL HAQ

Reader in Urdu. Delhi University

Born 1939, 29th March
M. A. Urdu and Persian
Ph. D. Urdu, (Persian -uder completion)
Publications ;
Iqbal Ke Ibtidai Afkar, 1969.
Bikhre Khayalat, 1975.
Tankhid-e- Iqbal Aur Dusre Mazamin, 1976.
Intekhab-i-Hatim, 1977.
Virtues of Remembrance, 1978.
Matai-Sukhan, 1978.
Books Under Print :
Asri Lughat.
Asri Malayalam Kahaniyan,
Iqbal ke Sheri Ahang.
Meri Tamam Sarguzasht.

And anumber of research papers, articles and book reviews.

Dr. RAFIUDDIN HASHMI

Lecturer in Urdu, Oriental College Lahor.
Born Ist April 1942.
B. A. 1963.
M. A. 1966.
Ph. D. 1981.
Books Published;
Iqbal ki Taweel Nazmen, 1974
Suroor aur Fasanai Ajaib 1975
Khutut-e-Iqbal 1976
Khutub-e-Iqbaliat 1975
Asnaf-e-Adab. 1976
Iqbal Bahaisiat shair 1976

Tasaneef -e- Iqbal ka Tahqeequi aur Tauzeehi Mutalia 1983.
Contributed research papers to various periodicals

Dr. MOINUDDIN AQEEL

Associate Prof. of Urdu, Karachi University

Born 25th June 1947, Udgir, Hyderabad (Deccan)
B. A. University of Karachi,
M. A. 1969 University of Karachi,
Ph. D. 1975 University of Karachi,

Publications;
Tareeq-e-Pakistan aur Moulana Moududi 1971
Tahrik-e-Azadi men Urdu ka Hissa 1976
Isharia-e-Kalam-e Faiz 1977
Pakistan Men Urdu Ghazal 1981
Musalmano ki Jiddo Jehde Azadi 1982
Deccan aur Iran 1983
Pakistan men urdu Tahqiq 1985
Iqbal aur Jadid dunya-e-Islam (underprint)
Edited; Ek Nadir Safarnama, 1982,
Kalam -e- Nairang 1983

Written about 50 research articlesiin various
Urdu and English Journals.

PROF. SAID GAMALUDDIN

Prof. of Persian, Ain Shams University

Born 1940, 10th Feb.
B. A. Oriental Stu dies.
M. A. 1967
Ph.D. 1972
Publications:

Javid-Nama, an Analytical Study 1978
Ismaili State in Iran, 1975
The Governor of Baghdad, 1980
Kinzal Darur of Ibn-al-Devvaday, 1981.
Methodology in Islamic and Arabic Studies, 1981
Pages from Islamic Culture, 1980
Asas al Iqlisas of Nasseruddin at Tusri.

PROF. Dr. ABDUL KADIR KARAHAN

Bron 1913, 1st September,
M.A.-Istanbul University.
Ph. D. Istanbul University.
Prof. ofTurkish-Islamic Literature University of Islamabad.
Publications:

Letters of Fuzuli: 1948,
Dr. Mohd. Iqbal, 1974,
Basic Teachings of Islam, 1981
The Turkish Culture and Literature,, 1985.
40 Hadith, 1985
Nef'i Selected Poems, 1985. and many others.

Prof:- TARACHARAN RASTOGI.

Retd. from Assam Collegiate Educational Services.

M. A. in Three Subjects,
Ph. D.

Publications ;

Islamic Mysticism ; Sufism
Iqbal's Work ; a Sociological Perspective.
A Psycho-Sociological Close-up of Iqbal's Work.
Muslim World ; Islam breaks Fresh Grounds.
Western Influence in Iqbal.
Contributions :papers to a number of magazines in India and abroad

JUSTICE JAVID IQBAL

Born 1924, 5th October,-Sialkot.

* M.A. in English & M.A. in Philosophy from University of Punjab
* Ph. D. from Cambridge University.
* Bar-at Law from Lincolns Inn, London, 1956.
* Enrolled as advocate of the High Court Lahore and Concurrently Lectured at Punjab University, Law College-1956-70
* Elected as the President of Lahore High Court Bar Association in 1963. and member of Pakistan Bar Council in 1969.
* Appointed to the Bench of Lahore High Court in 1971.
* At present working as Chief Justice of Punjab High Court.

LITERARY& ACADEMIC CONTRIBUTIONS

1) Stray Reflection's - A note book of Iqbal (1961).
2) Mai Lala Faam (Urdu collection of papers on Iqbal) (1968).
3) Zinda Rud (in three volumes)- Biography of Iqbal.
4) Contributed a number of papers in International Journals and other books on Islamic philosophy etc.

Represented Pakistan as a delegate to the United Nations(1960-62) Participated in a number of International Conferences.
Lectured in the Universities in U. S. A. Canada, Europe, Turkey & Iran.
Visting Professor of Mexico for a period of four mounths in 1962.

PROF. SABRI TABRIZI, GHOLAM RAZA.

Born 1934, 21st March, Tabriz.
B. A. University of Tabriz 1956 Dip. rd 1958.
Ph. D. University of Edinburgh 1969.
Prof. and Head, Dept. of Islamic and Middle Eastern Studies, University of Edinburgh.
Assistant Lecturer in Persian and Turkish, 1965-67.
Member of Various Councils in the Edinburgh University.
Books Published: The Heaven anb the Hell of William Blake, 1973.

Papers Published :

Devil and Evil in Persian Mythology, Michigan, 1967.
The Human Values in two Persian Writers, Brussels, 1970
The Social Values in Modern Persian Literature, Paris, 1973.
Al-beruni and Human Values of Eastern Renaissance. Pakistan, 1973. Tolerance in Islam, New Delhi, 1973, etc.

SYED KHALILULLAH HUSSAINI
President
Iqbal Academy

MOHD. ZAHEERUDDIN AHMED
Vice President
Iqbal Academy

KHAJA NASIRUDDIN
Joint Secretary
Iqbal Academy

MAZHER LATEEFI
Treasurer
Iqbal Academy

ABID ALI KHAN
Chairman
Reception Committee

NAWAB SHAH ALAM KHAN
Vice President
Reception Committee

RAHIM QURAISHI
Vice President
Reception Committee